ابنِ صفی

جلد نمبر
6

جاسوسی دنیا

18- عجیب آوازیں

19- رقاصہ کا قتل

20- نیلی روشنی

جاسوسی دنیا نمبر 20

نیلی روشنی

(مکمل ناول)

گمنام منزل

تاحد نظر چٹیل اور ریتلا میدان پھیلا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گرم ہوا کے تیز جھونکے اپنے ساتھ گرد وغبار کا طوفان لاتے اور مسافروں کے چہروں پر کلی کرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر ویٹنگ روم تو ہوتے نہیں کہ معزز قسم کے مسافر کھڑکیوں کے سیاہ پردے تک گرا کر ریگستان میں ایک آدھ گھنٹے ہی کے لئے ایک ننھی سی جنت بنا سکیں۔ یہاں بس چاروں طرف سے کھلا ہوا ایک ٹین کا سائبان تھا۔ جس کے نیچے بھانت بھانت کے آدمی عجیب انداز سے لیٹے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد سے اٹے ہوئے چہروں پر وحشت اور بیزاری کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے اگر کوئی سہواً بھی اپنے خشک ہونٹوں پر ایک بار زبان پھیر لیتا تو کافی دیر تک اس کے دانتوں کے نیچے ریت کے ذرے کرکراتے رہتے اور وہ کچھ ایسے تلخ انداز میں اپنے ہونٹوں کو قوسوں اور دائروں کی شکل میں جنبش دیتا کہ دوسروں کے منہ بھی بگڑ جاتے۔ سائبان بھٹی کی طرح تپ رہا تھا اور اس پر سے گرم ہوا کے جھونکے.... زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں۔

اس وقت کوئی سرجنٹ حمید کو دیکھتا تو یہ نہ کہہ سکتا کہ وہ کبھی نفاست پسندی کے جنون میں مبتلا رہا ہوگا۔ اس کے چمکیلے بال گرد میں اٹ گئے تھے۔ چہرے پر اس قدر دھول تھی کہ اب ماتھے پر سے پسینہ پونچھنے کی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔

سرخ وسپید رخسار جھلس گئے تھے اور وہ دق کا مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے ایک موٹی سی گالی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ جسے وہ کبھی اپنی ذات سے منسوب کرتا اور کبھی اپنے محکمے کے اعلیٰ افسر کی ذات سے۔ اس ریگستان کو پار کرتے وقت وہ ٹرین پر سوچتا آیا تھا

کہ منزل مقصود پر ضرور کچھ نہ کچھ سکون ملے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی اور اب اس سائبان کے نیچے ایک سوٹ کیس پر بیٹھا اس موٹر کا انتظار کر رہا تھا جس کی بشارت اس کے محکمے کے اعلیٰ افسر نے پہلے ہی دے رکھی تھی؟

یہ بلائے ناگہانی اس پر اچانک نازل ہوئی تھی۔ بس یونہی ایک دن آفس میں بیٹھے بٹھائے افسر اعلیٰ کے نادر شاہی فرمان کا شکار ہو گیا۔ انسپکٹر فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا ورنہ شاید اس کی نوبت نہ آتی.... بہر حال شدنی.... ہونے والی بات اور پھر ملازمت کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا تو نہیں ہوتا۔ ہاں جب کام کی نوعیت ہی بے سر وپا ہو تو اختلاج کا ہونا لازمی ہے۔ سرجنٹ حمید بھی اختلاج میں مبتلا تھا۔ اس کے اعلیٰ افسر نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اسے فلاں اسٹیشن پر اترنا ہے پھر وہاں سے اسے ایک سیاہ رنگ کی کار لے جائے گی۔ کہاں؟ اس کی خبر حمید کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ چیز بھلا کیونکر ایسی صورت میں اس کی سمجھ میں آتی۔ جب کہ اسے اپنی منزل تک کا علم نہیں تھا؟ البتہ ٹرین پر کئی بار اس سوال کے جواب میں اس کے ذہن میں لفظ "جہنم" ضرور گونجا تھا اور اب وہ سچ مچ جہنم میں بیٹھا اس سیاہ رنگ کی کار کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے تھرماس کھول کر تھوڑا سا پانی پیا اور کئی للچائی ہوئی نظریں اس کے تھرماس پر گڑ کر رہ گئیں۔ لیکن اس نے جھلاہٹ میں انہیں اس طرح اپنے ذہن سے جھاڑ دیا جیسے کوئی کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دیتا ہے۔ ہمدردی اور انسانیت کے سارے جذبات جیسے فنا ہو گئے تھے۔

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا ٹھیک گیارہ بجے ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی کار شیڈ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھاری جبڑوں اور پھولی ہوئی سرخ ناک والا آدمی بیٹھا اپنی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھوں سے سائبان کا جائزہ لے رہا تھا اس کی گھنی مونچھیں اس طرح نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں کہ نچلے ہونٹ کا صرف درمیانی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ گردن اتنی کوتاہ تھی کہ اس کا سر شانوں کے درمیان رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

حمید سامان اٹھا کر کار کی طرف لپکا۔ ڈرائیور نے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دروازہ کھول کر نرم گدیلے میں دھنس گیا۔ کار چل پڑی۔ حمید نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے تھے۔ پھر بھی ریت اور اندر گھسی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد

اس کی حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ وہ ڈرائیور سے یہ تک پوچھنا بھول گیا کہ وہ اسے کہاں لے جائے گا۔ کار نہ جانے کب تک چلتی رہی حمید کو کچھ یاد نہیں اس پر غشی سی طاری تھی۔ بس کبھی کبھی اس کے ہاتھ غیر شعوری طور پر تھرماس سے جا لگتے اور وہ دو ایک گھونٹ پی کر پھر اسے نیچے ڈال دیتا۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

شام ہوتے ہوتے کار ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید اس قدر بے جان ہو چکا تھا کہ اس میں کھڑکیوں کے شیشے تک گرانے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور کار روک کر نیچے اتر آیا پھر اس نے زور سے دروازے کھول کر شیشے گرائے اور خنک ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے حمید کی بے ہوشی میں اضافہ کر دیا....

یہاں دور تک سرسبز چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور موٹے تنوں کے چھوٹے اور گنجان درخت حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے حمید کو بازوؤں میں اٹھالیا اور ایک طرف چلنے لگا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ نارنجی شعاعیں آہستہ آہستہ ڈھلوانوں پر چڑھ رہی تھیں اور سناٹے میں پرندوں کا شور گونج رہا تھا۔ ڈرائیور حمید کو اٹھائے چلتا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے چشمے کے کنارے رکا اور حمید کو زمین پر ڈال کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک پتھر سے ٹیک لگائے حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور کار سے اس کا سوٹ کیس بھی اٹھا لایا تھا اور اب اسٹوو پر چائے کا پانی چڑھا کر کیتلی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی نظر بہکتے ہی وہ اسٹوو سے کود کر چشمے میں جا پڑے گی۔

"ارے بھائی تم کون ہو! اور مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا لیکن اس کی مشغولیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" اس بار حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

اس نے چونک کر حمید کی طرف دیکھا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔" حمید نے دہرایا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر پھر کیتلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ برف کی طرح سرد معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو غصہ آیا لیکن پھر اس کے سارے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔

وہ کافی دیر تک حیرت آمیز نظروں سے ڈرائیور کو دیکھتا رہا جو اسے حد درجہ پُر اسرار معلوم

ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے کیتلی پر سے نظر ہٹا کر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ صرف سوٹ کیس ہی اٹھا کر کیوں لایا ہے۔ سوٹ کیس کے علاوہ تھرماس اور ناشتہ دان بھی تو تھے اس سے پوچھنا چاہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو رہا۔

دن بھر کی کوفت اور تھکن کے بعد ٹھنڈے پانی کے چشمے کا قرب گویا اسے جہنم سے کھینچ کر جنت میں لے آیا تھا اس نے اٹھ کر سوٹ کیس سے غسل کا لباس نکالا اور نہانے کی تیاری کرنے لگا۔

"چشمہ زیادہ گہرا تو نہیں۔" حمید نے ڈرائیور سے پوچھا۔

اس نے کیتلی سے نظر ہٹائے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔

حمید کافی دیر تک نہاتا رہا۔ پانی کی ٹھنڈک اسے روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس لذت میں اس طرح کھو گیا تھا کہ اسے وقت کا بھی احساس نہ رہا۔ سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اور افق میں کئی چمکیلے رنگ ابھر آئے تھے۔

ڈرائیور نے چائے تیار کر لی تھی اور اب بھنے ہوئے پارچوں کے سینڈوچ بنا رہا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ وہ دوپہر سے بھوکا ہے۔

ٹھنڈے پارچے کے سینڈوچ بھی اس وقت اسے بڑا مزہ دے رہے تھے۔

"بھئی آخر تم بولتے کیوں نہیں۔" حمید نے کھاتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

موٹر ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایک بیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن وہ کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے لئے چائے انڈیلنے لگا۔ حمید کو کچھ تو ہنسی آئی اور کچھ جھنجھلاہٹ معلوم ہوئی لیکن اس نے جھنجھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا! چشمے کے ٹھنڈے پانی اور گرما گرم چائے کے کپ نے گویا اسے نئی زندگی بخش دی تھی اور وہ حسبِ دستور قدیم چہکنے کے موڈ میں آ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب ڈرائیور کو گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

"بھئی اگر گونگے ہو تو صاف صاف بتا دو۔ میں کیوں خواہ مخواہ مغز ماروں۔"

ڈرائیور بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے گونگا ہی سمجھئے۔" وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں بولا۔ "میں کچھ نہیں جانتا مجھے صرف ایک بتائے ہوئے نشان پر آپ کو اتار دینا ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"نشان پر....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔"

"مطلب خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔" ڈرائیور نے لاپروائی سے کہا اور چائے کی خالی پیالیاں اٹھا کر باسکٹ میں رکھنے لگا اس کے چہرے پر پھر سنجیدگی اور سفاکی کے آثار پھیل گئے تھے۔

"اماں تو کہاں.... اتار دو گے.... جنگل میں.... قبرستان میں.... یا کسی....!"

"جنگل میں...." ڈرائیور نے کہا۔ "جہاں دور دور تک آبادی کا پتہ نہیں۔"

"کمال کر دیا.... آخر....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور نہ میں اس کے متعلق کوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

حمید کا دل چاہا کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دے آخر اس کے اعلیٰ افسر کا مقصد کیا تھا اسی طرح کچھ دن قبل جب وہ گھر پر موجود نہیں تھا انسپکٹر فریدی بھی اپنا اتا پتا بتائے بغیر غائب ہو گیا تھا۔ گھر کے ملازموں سے بس اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ اس نے کسی لمبے سفر کی تیاری کی تھی اور وہ اس کے لئے بھی کوئی پیغام نہیں چھوڑ گیا تھا لیکن حمید نے اسے اس وقت تک اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ یوں بھی یہ عادت فریدی کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ اپنے پروگرام کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ اسی طرح غائب ہو جانے کو کوئی خاص معنی نہیں پہنائے تھے۔ لیکن اس وقت وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر اعلیٰ افسر کیا چاہتا ہے اس کے ذہن میں لیونارڈ[1] والا واقعہ ناچنے لگا۔ لیونارڈ یورپ کا مشہور بلیک میلر جو مسٹر جیکسن کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ بن بیٹھا تھا تو پھر کیا کوئی اس قسم کا حادثہ پیش آیا چاہتا ہے کہ یہ ان دونوں کے خلاف کوئی سازش تھی؟

حمید بیک وقت چونک پڑا۔ ڈرائیور سوٹ کیس اور باسکٹ اٹھائے چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ ہو لیا۔

کار پھر چل پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کے عقبی حصے سے شعور میں رینگ آیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ سوٹ کیس کے اندر کپڑوں میں کچھ ٹٹول رہا تھا آخر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ریوالور اپنی جگہ پر موجود تھا اس نے ریوالور کی پیٹی کاندھے پر ڈال کر اوپر سے کوٹ پہن لیا۔ خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ دونوں طرف عظیم الشان چٹانوں کا سلسلہ تھا اور ہیڈ لائیٹس کی روشنی بل

---

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "فریدی اور لیونارڈ" جلد نمبر 2 ملاحظہ فرمائیے۔

کھاتی ہوئی پہاڑی سڑکوں پر پھیل رہی تھی۔ انجن کا شور چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک منتشر ہوتا معلوم ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی بڑے بڑے بالوں والی سفید لومڑیاں روشنی میں سڑک پار کرتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے گنجان درخت تاریکی میں کچھ عجیب وحشت خیز سے لگ رہے تھے۔

"ارے بھائی کم از کم اتنا تو بتا دو کہ ابھی کتنا اور چلنا ہے۔" حمید نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"بس دو تین میل اور۔"

"تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

ڈرائیور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید کا دل چاہا کہ ریوالور کی نال اس کی نظر نہ آنے والی گردن سے لگا کر لبلبی کو دبا دے۔

"یار تم عجیب آدمی ہو...." حمید نے پھر کہا۔

"دیکھئے" ڈرائیور کرخت آواز میں بولا جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہوں اسے صرف سوچتے رہئے۔

"دیکھو دوست میں ابھی تمہاری گردن ناپ سکتا ہوں۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"اس سے فائدہ؟" ڈرائیور نے قہقہہ لگایا۔ "میرے بعد آپ یہاں یتیم بچوں کی طرح بھٹکتے پھریں گے۔"

حمید کو اس زور کا غصہ آیا کہ اسے اپنی عقل گدی سے نکلتی معلوم ہونے لگی۔ لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ قہر درویش بر جان درویش اس نے یہ بات بھی قاعدے ہی کی کہی تھی۔ اگر سچ مچ وہ تنہا رہ گیا تو کہاں بھٹکتا پھرے گا۔

حمید نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے اور تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

آخر کار ایک جگہ رک گئی اور ڈرائیور نیچے اتر گیا۔

"اتریئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یار.... کیوں؟" وہ ایک بار پھر ہکلایا۔

"ٹھہریئے.... میں آپ کا سوٹ کیس اتارے دیتا ہوں۔" ڈرائیور نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تو کیا سچ مچ یہیں۔"

"جی ہاں۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔"

"جلدی کیجئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" ڈرائیور کا لہجہ درشت تھا۔

اس نے حمید کا سامان نیچے اتار دیا۔ طوعاً و کرہاً حمید بھی اتر آیا۔

"تم بھول تو نہیں رہے ہو!" حمید نے بوکھلا کر کہا۔

"شب بخیر...." ڈرائیور نے کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

حمید "ارے ارے" ہی کرتا رہ گیا اور کار اگلے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے غائب ہوگئی۔ پہاڑی جھینگروں کی کان پھاڑ دینے والی تیز سیٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اندھیرا تاریک ڈھلوانوں سے پھسل پھسل کر اس کے گرد اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر رہا ہو اور یہ دیواریں اسے پیس ڈالنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہوں۔ دفعتاً قریب ہی بہت سے گیدڑ چیخ اٹھے اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک برفیلی لہر دوڑ گئی۔

وہ دو بڑی چٹانوں کے درمیان بکھری ہوئی خار دار جھاڑیوں میں کھڑا تھا۔ ہر دوسرا لمحہ زیادہ سے زیادہ پاگل کر دینے والا ثابت ہو رہا تھا۔ حمید ڈرپوک نہیں تھا لیکن ایسے حالات میں مرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کوئی تک ہے آخر؟

پھر اسے دور کہیں کسی لکڑ بگھے کی قہقہہ نما چیخ سنائی دی جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سوٹ کیس وغیرہ وہیں چھوڑ کر دوسری سمت والی چٹان پر چڑھنے لگا۔ انتہائی بلندی پر پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا؟ چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی دھندلے ہو رہے تھے۔ دیو پیکر چٹانوں کے نیچے بکھرا ہوا اندھیرا تو نہ جانے کتنی خبیث ارواح کی کمین گاہ معلوم ہوتا تھا۔

دفعتاً حمید کو اپنے سر پر تیزی سے جھپٹتا ہوا ایک سایہ دکھائی دیا اور پھر اس نے اس کے سارے جسم کو ڈھک لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ سر سے پیر تک وہ ایک تنگ جال میں پھنسا ہوا تھا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ کچھ ایسے بدحواس ہوگیا تھا کہ اس کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی۔ جال کے حلقے تنگ ہوتے جا رہے تھے اور پھر وہ نیچے کی طرف لڑھکنے لگا۔ اس نے کئی بار جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

خوفناک گروہ

حمید نہ جانے کب تک بے ہوش رہا۔ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اسے اذیت کا احساس ہوا۔ اس کے سارے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ چاروں طرف زرد رنگ کی گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ کئی منٹ تک وہ اندھوں کی طرح ادھر اُدھر ٹٹولتا رہا پھر آہستہ آہستہ زردی سے سیاہی کے پیچ وخم مٹتے گئے اور اسے موم بتی کی لو صاف نظر آنے لگی۔ وہ ایک غار میں پڑا ہوا تھا اس کے نیچے خشک گھاس کا بستر تھا اور قریب ہی اس کا سامان پڑا ہوا تھا۔ یہاں کچھ تھوڑا سا سامان اور بھی تھا مگر کس کا؟ اس کا پستول کارتوس کی پیٹی سمیت کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حمید نے جھپٹ کر اسے اٹھالیا۔ یہ اس کا ایک اضطراری فعل تھا۔ ورنہ وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھ سکتا تھا اس کے سارے جسم میں بے شمار خراشیں تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ متعدد جگہ کانٹے چبھ گئے تھے۔ داہنے پیر میں اگر موچ نہیں آئی تھی تو کوئی رگ ضرور اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ کیونکہ وہ پورا پیر جما کر زمین پر نہیں رکھ سکتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر غار کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ایک انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے اور اس پر رکھی ہوئی کیتلی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بھاپ سے پھیلنے والی ہلکی ہلکی خوشبو بتا رہی تھی کہ اس میں کافی ہے اس کے قریب ہی دودھ کا ڈبہ دکھائی دیا۔ غالباً شکر بھی کہیں قریب ہی رکھی ہوگی۔

بھوک کے مارے حمید کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ کافی کی خوشبو نے اسے قریب قریب خوش کر دیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ اس حال میں ایک نامعلوم جگہ پر پتہ نہیں قید ہے یا آزاد ہے۔ کچھ دیر قبل جو حادثہ پیش آیا تھا اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ بے تحاشا کافی کی کیتلی کی طرف جھپٹا اور دفعتاً غار کے دہانے کے قریب اسے ایک قہقہہ سنائی دیا۔

حمید ادھر متوجہ ہوا اور سامنے انسپکٹر فریدی کو کھڑا دیکھ کر بے ساختہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ....!"

انسپکٹر فریدی اپنے مخصوص انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا اس کے جسم پر ایک خاکی رنگ کی برجس تھی اور ایک میلا سا جیکٹ جو کہنیوں سے پھٹا ہوا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا چہرے پر ہلکی سی سیاہی

دوڑ گئی تھی لیکن آنکھوں کی وحشیانہ چمک اس حال میں بھی برقرار تھی اس کے دونوں ہاتھ برجس کی جیبوں میں تھے اور ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا۔

"آخر اس کا مطلب" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر میری جان ہی لینی ہے تو کسی دن شوٹ کر دیجئے!"

"وہ تو آخری حربہ ہوگا۔" فریدی نے منہ سے سگار نکال کر کہا اُدھر باسکٹ میں کچھ سینڈوچ بھی ہیں۔ مگر ٹھہرو! تمہیں اٹھنے کے لئے کس نے کہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر حمید کو پھر گھاس کے بستر پر ڈال دیا۔

"آخر یہ کیا بھان متی کا تماشہ ہے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"سب معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال تم چپ چاپ پڑے رہو۔"

فریدی نے باسکٹ سے کچھ سینڈوچ نکالے اور دو پیالیوں میں کافی بنائی۔

حمید سینڈوچ کھاتے وقت بھی بڑبڑائے جا رہا تھا۔ پھر اس نے دفعتاً سر اٹھا کر کہا۔

"ایک تو دن بھر ریگستان میں تپتا رہا۔ اس کے بعد یہ مذاق۔ اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو۔"

"امریکہ سے دوسری منگوا لیتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر تم غلط سمجھے ہو۔"

"کیا غلط سمجھا ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "گویا کتے کا پلا تھا۔ اول تو اس طرح بے تکے پن سے بلوایا پھر جال میں پھنسا کر۔"

"یہی تو تم نہیں سمجھے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مگر اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا۔"

"ایک کیا فائدے ہی فائدے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "میرے جسم پر لاتعداد فائدے ہیں جن سے ابھی تک خون بہہ رہا ہے۔"

"اچھا پہلے تم اپنا غصہ اتار لو اس کے بعد میں کچھ کہوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

کافی ختم ہونے کے بعد فریدی حمید کے زخم دیکھنے لگا۔ کئی جگہ سے کانٹے بھی نکالے۔ زخم گہرے نہیں تھے۔ معمولی خراشیں تھیں۔

حمید کا غصہ بھی سرد ہو چکا تھا اور وہ اب گھاس کے بستر پر لیٹا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"تم سے زیادہ عجیب حالات میں میں یہاں پہنچا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"مگر جال میں پھنسا کر۔"

"پھر وہی۔ پہلے سن تو لو.... جال میں میں نے نہیں پھنسایا تھا۔"

"یعنی....!"

"بس سنتے جاؤ۔ ٹھہرو۔ یہاں اندھیرا ہی بہتر ہے۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر موم بتی بجھا دی۔

"خاموش۔"

اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے فریدی آہستہ آہستہ غار کے دہانے کی طرف رینگ رہا ہو۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کسی کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ لیکن وہ دم سادھے پڑا رہا۔

"وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" فریدی کی سرگوشی پھر سنائی دی۔

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔

"کون۔"

"وہی جنہوں نے تمہیں جال میں پھنسا کر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ کون ہیں۔"

"پھر بتاؤں گا.... چپ چاپ پڑے رہو۔ ورنہ کتوں سے بدتر موت نصیب ہو گی۔"

حمید کی پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اس پر پھر غشی طاری ہو گئی۔ رات میں کئی بار اس کی آنکھیں کھلیں۔ لیکن اس بیداری میں شعور کو دخل نہ تھا۔

دوسرے دن وہ کافی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ فریدی کے جگانے پر اس نے آنکھیں تو کھولیں لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مرچیں سی بھری معلوم ہو رہی تھیں۔

"ارے تمہیں تو اچھا خاصا بخار ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔" فریدی خود بخود بڑبڑایا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ حمید کچھ بولنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"دواؤں کا بکس بھی یہاں موجود نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں پہنچتے ہی تم اس حادثے کا شکار ہو جاؤ گے۔"

حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" اس نے کہا۔

"حالات ہی ایسے تھے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"حالات! خدا سمجھے ان حالات سے آپ کے ساتھ حالات کے علاوہ اور رہتا ہی کیا ہے۔"

"بھئی بات بھی سنو تو۔"

"سنائیے نا!" حمید جھنجھلا کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"مجھے بھی اسی طرح کچھ بتائے بغیر روانہ کر دیا گیا تھا۔ ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کا سپر نٹنڈنٹ مجھے اُسی اسٹیشن سے ٹیکم گڈھ لے گیا۔ جس راستے سے تم یہاں آئے ہو۔"

فریدی سگار سلگانے کے لئے رکا اور دو تین کش لینے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔ حمید کو اس کی اس عادت سے پرانی عداوت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک بات کرتے کرتے دوسری بات میں الجھ کر اس کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

"لیکن کیوں؟ کس لئے؟" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمال کر دیا؟" حمید بھنا کر بولا۔ "تو گویا....!"

"اوہ سنو تو....!" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "بظاہر بات اتنی ہی ہے کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہو رہی ہے۔ لاکھوں روپیہ کا سونا ہمسایہ ملک میں ناجائز طور پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"تو یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اتنی سی بات کا پتہ بھی نہیں لگا سکا۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو حیرت کی بات ہے!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سامان کس وقت اور کس طرح گذرا۔"

"پھر انہیں اس کے متعلق معلوم کیسے ہوتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمارے جاسوس ہمسایہ ملک سے اس کی اطلاع دیتے ہیں۔"

"حیرت ہے.... اتنی ذرا سی بات۔"

"ذرا سی بات نہ کہو! بہت ہی منظم گروہ ہے۔ ایک ایک بات کی خبر رکھتا ہے اس کا اندازہ تو اب ہوا ہے کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اس کے مقابلے میں کتنا کمزور ہے۔ اب اپنی آمد ہی کے

بارے میں غور کرو! محض رازداری کے لئے اتنا ٹیڑھا میڑھا راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ لیکن انہیں اس کی بھی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت صرف دو ہی تھے۔ ورنہ شائد میں تمہیں چھڑانے میں کامیاب بھی نہ ہوتا۔"

"وہ ڈرائیور کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"یہیں کے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی رہا ہو گا۔"

"مجھے تو اسی پر شک ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے.... اس قسم کی باتوں کے کھل جانے کے ذرائع ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ مجرموں کے آدمی محکمہ سراغ رسانی میں بھی موجود ہیں۔"

"تو کیا آپ اسی غار میں رہتے ہیں۔"

"نہیں وہ تو میں تمہاری وجہ سے یہاں آبسا تھا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ اس طرح چھپنا چھپانا قطعی فضول ہے کیونکہ مجرم ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"پھر کیا کیجئے گا۔"

"دیکھو بھائی ایسے حالات میں موت دو چار ہی قدم کے فاصلے پر ملتی ہے اسی لئے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"آپ ٹیکم گڈھ میں کب سے مقیم ہیں۔"

"تین دن سے۔"

"اور آپ کے ساتھ کوئی خاص حادثہ پیش نہیں آیا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک انہیں میری موجودگی کا علم نہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل جائے اور آپ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو ایک ہی جگہ ٹھکانے لگا دینے کی اسکیم بنائی ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو صرف دو ہی آدمی نہ آتے اگر وہ میرے متعلق بھی جانتے ہوں گے تو انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں دو چار آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔"

"یہ نہ کہئے! بے خبری میں بڑے بڑے مارے جاتے ہیں۔"

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آپ نے مجھے کس طرح رہائی دلائی تھی۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے وہاں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی ورنہ اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔ بہر حال میں اس وقت پہنچا جب وہ تمہیں جال میں پھنسا کر کھینچ رہے تھے۔ پہلے تو میں کچھ سمجھا ہی نہیں۔ لیکن جب تمہاری چیخ سنی تو بے تحاشہ فائر کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر تک وہ مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر بھاگ نکلے اگر میں جانتا ہوتا کہ وہ صرف دو ہی ہیں تو میں فائر نہ کرتا اس کے بجائے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتا۔"

"لیکن اس کے بعد بھی تو وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں.... آں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ مگر اس وقت وہ آٹھ دس تھے۔

"آٹھ دس....!"

"ہاں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا کوئی اڈہ یہاں سے قریب ہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ انہیں یہاں میری موجودگی کا علم نہیں تھا ورنہ وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف ہوتے اور اس وقت ہم کہیں اور پائے جاتے۔"

حمید نے کراہ کر کروٹ بدلی اور فریدی اٹھ کر آتش دان کی آگ تیز کرنے لگا۔ آتش دان پر رکھی ہوئی لوہے کی سلاخ میں کوئی پرندہ لگا ہوا تھا جسے وہ نمک چھڑک چھڑک کر بھونتا جا رہا تھا۔

"تو اب کیا یہیں پڑے رہنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں تو.... تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو ہم ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔" فریدی نے سیخ کو آتش دان پر سے اتارتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اور پھر مجھے اس غار میں وحشت ہوتی ہے۔"

"کتنی رومان آفریں جگہ ہے۔ آج تم غروب کا منظر ضرور دیکھنا! ہے ہے! حمید تم نرے ڈیوٹ ہو۔ یہاں زندگی ہے پیارے ان چٹانوں سے حیات کے چشمے ابلتے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اور لکڑ بھگوں کے خونی قہقہوں کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"چھوڑو بھی۔" فریدی نے اس کی طرف کافی کا پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جہاں ہم بیٹھے ہیں یہ بھی لکڑ بھگے ہی کی پناہ گاہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"ٹیکم گڈھ کے جس ہوٹل میں، میں ٹھہرا ہوں ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ عمدہ کھانا آرام دہ بستر، قاعدے کے لوگ، عمارت تو ساری لکڑی کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن اتنی پُر فضا جگہ پر واقع ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ ملازموں میں ایک بھی مرد نہیں سب لڑکیاں ہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ فریدی اسے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

انہوں نے دو دن تک اسی غار میں قیام کیا اس دوران میں کوئی خاص واقع پیش نہیں آیا۔ حمید اب بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ابھی اس کے لئے ایک جان لیوا مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا ٹیکم گڈھ تک کا پیدل سفر۔ ٹیکم گڈھ وہاں سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ فریدی سے وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ راستے میں گھنے جنگلوں کے سلسلے ملتے ہیں جو وحشی درندوں سے پر ہیں لیکن بہر حال اسے ان جنگلوں کو پار کرنا ہے۔

تیسری رات وہ ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید کا سوٹ کیس وہیں غار میں ڈال دیا گیا۔ کپڑے اور دوسری چیزیں شکار کے بڑے تھیلوں میں بھر لی گئی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے دشوار گذار راستے طے کر رہے تھے۔

نیلا ہیجان

ٹیکم گڈھ پہنچ کر وہ اسی ہوٹل میں اترے جہاں فریدی پہلے سے مقیم تھا۔ عمارت کچھ زیادہ وسیع نہیں تھی۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے صرف بیس کمرے تھے اور پوری عمارت میں شاید ہی کہیں سیمنٹ یا پتھر استعمال کیا گیا ہو۔ عمارت تھی تو لکڑی ہی کی لیکن سلیقے سے بنائی گئی تھی۔ بیرونی دیواریں جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی بھورے رنگ کی وارنش

سے رنگی گئی تھیں اندر کی طرف سپاٹ تختے لگا کر انہیں ہموار بنایا گیا تھا اور ان پر سفیدے کا پالش تھا۔ یہاں پر زیادہ تر غیر ممالک کے سیاح ٹھہرا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ مصور ہوتے تھے اور کچھ ایسے جنہیں کوہ پیمائی کا شوق یہاں کھینچ لاتا تھا۔ کبھی کبھی لمبے بالوں والی لومڑیوں کے شکاری بھی آ ٹھہرتے تھے۔

محل وقوع کے اعتبار سے ٹیکم گڈھ کے لوگ اسے "رشک ارم" کہتے تھے۔ یہ انتہائی اونچائی پر بنایا گیا تھا کہ یہاں سے دور دراز پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی تھیں جن پر طلوع و غروب کے وقت قوس قزح کے رنگ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ نشیب میں دور تک سدا بہار درختوں کے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ داہنی طرف کے ڈھلوانوں میں ایک پہاڑی نالہ چٹانوں سے ٹکرا کر جگمگاتے ہوئے قطروں کے موتی اچھالتا ہوا بہہ رہا تھا۔ آگے چل کر اس نے ایک وسیع جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی اور پھر اس کا پانی اگلی پہاڑیوں کی دراڑوں میں گھس کر نہ جانے کتنے اور نالے بناتا تھا۔

فریدی اس ہوٹل میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے رپورٹر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ قیام کا مقصد سیر و شکار بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے جب وہ حمید کے ساتھ بحالت تباہ ہوٹل میں داخل ہوا تو کسی نے ذرہ برابر حیرت کا بھی اظہار نہ کیا۔ اس نے جو کمرہ لے رکھا تھا وہ دو آدمیوں کے لئے تھا اور منیجر کو یہ معلوم تھا کہ اس کا کوئی اور ساتھی بھی آنے والا ہے۔ فریدی نے راستے ہی میں حمید کا تھوڑا بہت حلیہ تبدیل کر دیا تھا اور اب وہ ایک نوجوان کے بجائے پینتیس چالیس کا آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔ اگر اس پر حملہ نہ کیا گیا ہوتا تو شاید فریدی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا لیکن اب اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ چونکہ محکمہ سراغرسانی کا ڈرائیور اسے پہچان چکا تھا اس لئے اصلی صورت میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ بالکونی میں آ بیٹھے۔

"تو کیا تم جھوٹ سمجھے تھے۔" فریدی بجھا ہوا سگار نیچے پھینکتا ہوا بولا۔

"لیکن آپ نے مجھے بوڑھا بنا کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔" حمید نے ایک ویٹرس پر نظر جمائے ہوئے کہا جو قریب سے گذر رہی تھی۔ پھر اس نے اسے روک کر پوچھا کیا یہاں پرنس ہنری کا تمباکو مل سکے گا۔"

"جی نہیں وہ تو نہیں ہوگا۔ کارلٹن اور کیپسٹن ہیں۔" ویٹرس نے کہا۔

"کارلٹن تو ہلکا ہوتا ہے۔ خیر ایک ٹن کیپسٹن کا دے جاؤ۔"

"چھوٹا یا بڑا۔"

"چار اونس والا۔ لیکن ذرا....!" حمید ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "خیر جاؤ۔"

ویٹرس مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

"تم نے شروع کر دیں اپنی حرکتیں۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیسی حرکتیں! آپ تو خواہ مخواہ جان کو آجاتے ہیں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "میں نے کسی عورت سے بات کی اور آپ کے دماغ میں زلزلہ آیا۔ پھر کس سے کہتا۔ کیا یہاں کوئی مرد نوکر ہے۔"

"تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی۔"

"پتھر تو نہیں مارا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔ اگر آنکھ مارنے سے اس کا پیٹ پھٹ گیا ہو تو میری لردن اڑا دیجئے۔ بھلا بتایئے اب کوئی آنکھ بھی نہ مارے۔"

"تو گویا آنکھ مارنا کوئی بڑا فریضہ ہے۔"

"جی نہیں آپ کی طرف برہمچاری ہو جانے میں نروان ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

یہ بحث یہیں تک پہنچی تھی کہ ویٹرس تمباکو لے کر آگئی۔

"کیوں بھئی تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔" حمید نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی سے گھورنے لگا۔

"چوٹ....!" وہ چونک کر بولی۔ "کیسی چوٹ۔"

"ہم سمجھے شاید تم زینے پر لڑکھڑائی تھیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"جی نہیں.... نہیں تو۔"

"خیر ہمیں دھوکا ہوا ہوگا۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے تمباکو کے دام ادا کئے اور ایک بار پھر اسے آنکھ مار کر رخصت کر دیا۔

"حمید تمہاری شامت تو نہیں آگئی۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کم از کم میرے ساتھ رہ کر تم تنی گری ہوئی حرکتیں نہیں کر سکتے۔"

"بھلا اس میں گراوٹ کی کیا بات ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"میں سچ مچ تمہیں چانٹا مار دوں گا۔"

"یہ یقیناً ایک گری ہوئی حرکت ہو گی۔" حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ چانٹے سے چوٹ لگتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کا ارشاد ہے کہ ارشاد احمد، ارشاد علی اور ارشاد حسن وغیرہ مسلمانوں کے نام ہوتے ہیں، ہندوؤں کے نام رام کھلاون.... رام....!"

"بکو مت۔" فریدی نے جھنجھلا کر اس کا منہ دبا دیا۔

"ہوں.... ہوں.... کہیں میک اپ نہ بگڑ جائے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"خیر بیٹے گھبراؤ نہیں جلد ہی ساری چہک بند ہو جائے گی۔" فریدی بے بسی سے بولا۔

"کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"نہیں عورتوں کی موجودگی میں تو تم خاصے تیس مار خاں معلوم ہوتے ہو۔" فریدی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید سنجیدگی سے بولا۔

"تو اب کیا پروگرام ہے۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" فریدی سگار سلگا کر برفیلی چوٹیوں پر نظریں گاڑتا ہوا بولا۔ "کام کس طرح شروع کیا جائے۔ یہ خود ایک اپنی جگہ پر بہت بڑا سوال ہے۔ ہمارے پاس فی الحال اس اطلاع کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہوتی ہے۔"

"اور وہ بھی اس طرح کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے۔" حمیا مسکرا کر بولا۔

"کیا تمہارے اس جملے میں کوئی خاص اشارہ پنہاں ہے۔"

"اوہ....!" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "یہ ایشیا کا معروف سراغ رساں مجھ سے پوچھ رہا ہے۔"

فریدی پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہ شروعات اس ڈرائیور سے کی جائے کیونکہ تمہاری آمد کا راز افشا ہو گیا تھا۔"

"جناب والا۔" حمید قدرے جھک کر بولا۔ "یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "شاید ابھی تک تمہارے ذہن پر لکڑ بھگوں کے

قہقہے مسلط ہیں۔"

"کیوں؟"

"یہ سامنے کی بات صرف اندھے ہی ٹٹول سکتے ہیں۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "ڈرائیور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہوگا کہ تم پر کیا گذری۔ ایک احمق سے احمق آدمی یہ جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کہاں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام کہاں ہو سکتا ہے۔ غالباً اتنی عقل تو وہ بھی رکھتا ہوگا کہ تمہیں اس ویران مقام پر تنہا چھوڑ دیا جانا خالی از علت نہیں لہٰذا ایسی صورت میں فوراً ہی حملہ کر دیا جانا ڈرائیور کے سازش میں شریک ہونے کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔"

"اونہہ! ماریئے گولی۔" حمید اکتا کر بولا۔ "میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں خاصی تفریح رہے گی۔"

"خاصی۔" فریدی نے کہا اور اپنی نظریں اُفق پر گاڑ دیں۔ "ٹیکم گڈھ واقعی دلچسپ جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے میں پہلے بھی کبھی یہاں کیوں نہیں آیا۔ یہاں رہ کر آدمی تین مختلف تہذیبوں سے قریب ہو جاتا ہے۔ تین ملکوں کی سرحدیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک ہمارا سونا ہڑپ کرتا رہتا ہے۔"

فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ بالکونی کے دوسرے کنارے پر قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"ہیلو کیپٹن یاور۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"اوہ.... مس رینوکا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے آیئے! ذرا شکار کے لئے نکل گیا تھا۔"

حمید بھی کھڑا ہو گیا اس کے سامنے ایک انتہائی حسین عورت نیلے اسکرٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ عمر چھبیس ستائیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ بڑی بڑی آنکھیں نشیلی ضرور تھیں لیکن ان میں کسی جگہ درندگی بھی چھپی ہوئی تھی۔ مسکراتے وقت گالوں پر ہلکے ہلکے گڑھے پڑ جاتے تھے۔

"آپ میرے دوست کیپٹن جلیس ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "شکاری آدمی ہیں اور آپ مس رینوکا ایک بلند پایہ مصور۔ آپکی ایک تصویر اس سال پیرس کی بین الاقوامی نمائش میں جانے والی ہے۔"

"مجھے انتہائی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔" حمید اس سے ہاتھ ملاتے وقت قدرے

جھک کر بولا۔

"مسٹر راحیل تو نہیں دکھائی دیئے۔" رینوکا نے فریدی سے پوچھا۔ "میں ان کی تلاش میں ہوں۔"

"میں نے انہیں کچھ دیر قبل تمبا کو نوشی کے کمرے میں دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"معاف کیجئے گا میں مخل ہوئی۔" اس نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور رینوکا حمید کے حواس خمسہ کو جھنجھوڑتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

"آپ کا جغرافیہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جتنا میں نے تمہیں بتایا ہے اس سے زیادہ میں خود نہیں جانتا۔" فریدی لاپرواہی سے بولا۔

"نہ جانے آپ کس پتھر کے بنے ہیں۔"

"ہٹاؤ ہٹاؤ۔" فریدی احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔"

"سورج غروب ہو چکا تھا افق میں پھیلے ہوئے رنگین لہریوں پر سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"دگراج کے درے پر ایک فوجی دستہ تعینات ہے اور وہاں ایک پولیس چوکی بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور مناسب راستہ بھی نہیں ہے۔"

"یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں اپنا خیال نہیں ظاہر کر رہا ہوں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کی رپورٹ ہے۔"

"تو آپ کب تک اس رپورٹ کو پیٹتے رہئے گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"جب تک کوئی خاص کڑی میرے ہاتھ نہ آجائے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی اسے گھورنے لگا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ حمید نے لااُبالی پن کے ساتھ اپنے شانوں کو جنبش دی اور نیچے چلا گیا۔ ڈائننگ ہال میں برتن کھنک رہے تھے اس کی نظریں بے شمار سروں پر سے پھسلتی ہوئی اس عورت پر جا کر رک گئیں جس سے فریدی نے تھوڑی دیر قبل تعارف کرایا تھا۔ وہ ایک ایکٹر قسم کے آدمی کے ساتھ بیئر پی رہی تھی۔ پھر حمید کو وہ لڑکی دکھائی دی جس سے اس نے تمبا کو منگوایا تھا۔

حمید اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتاً باہر شور سنائی دیا۔ دو تین آدمی بھاگ کر اندر آئے ان میں ہوٹل کا چوکیدار بھی تھا۔

"ایک نئی آفت۔" چوکیدار نے منیجر کے کمرے کی طرف بھاگتے ہوئے کسی سے کہا۔

ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کچھ تو گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے۔

اور پھر چند لمحے بعد منیجر اپنے کمرے سے نکل کر تیزی سے اوپری منزل کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ بقیہ لوگ کھڑکیوں اور دروازوں کے قریب اکٹھا ہو رہے تھے۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں میں شامل ہو گیا۔ لوگوں کی نظریں مغربی افق پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں پہاڑی سلسلوں کے پیچھے سے ایک تیز قسم کی نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی اور پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے رینگتے معلوم ہو رہے تھے۔

"دروازے اور کھڑکیاں بند کرو۔" بارٹنڈر کاؤنٹر پر سے چیخا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

"خبر نہیں صاحب، میں بھی یہاں اجنبی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

باہر بدستور شور جاری تھا۔ شاید یہ نیچے آبادی کا شور تھا۔ حمید تیزی سے اوپری منزل کے زینے طے کرنے لگا۔

اوپر بالکونی میں مجمع بڑھ گیا تھا۔ منیجر چیخ چیخ کر لوگوں سے اندر چلے جانے کی درخواست کر رہا تھا۔

"آخر یہ ہے کیا۔" کئی آدمیوں نے بیک وقت پوچھا۔

"میں بتاؤں گا.... لیکن آپ لوگ اندر تو چلئے۔ ورنہ میں کسی کی موت کا ذمہ دار نہ ہوں گا۔"

لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے پھر کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ اس نیلے ہیجان اور موت سے کیا تعلق۔ روشنی لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی اور اب تو قریب کے درختوں اور ہوٹل کی دیواروں پر بھی اس کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبا کر اسے منیجر کے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ سب نیچے ڈائننگ ہال میں جمع ہو گئے جو لوگ پہلے ہی سے نیچے تھے ان کے چہروں پر خوف

کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ شائد انہیں پہلے ہی کچھ معلوم ہو گیا تھا۔

منیجر کاؤنٹر کے قریب رک کر مجمع پر نظریں دوڑاتا ہوا اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"کچھ بولو بھی۔" مجمع سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حضرات!" منیجر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ آج بھی کوئی حادثہ ضرور پیش آئے گا.... ہو سکتا ہے کہ میرا.... میرا ہی نہیں بلکہ پورے ٹیکم گڈھ کی آبادی کا اندیشہ بے بنیاد ہو لیکن احتیاط شرط ہے۔"

"عجیب آدمی ہو.... صاف صاف کہو۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

"آج سے چھ ماہ قبل اس طرح سے چنگاریاں اڑتی دکھائی دی تھیں اور کئی بہت بڑے بڑے شعلے ٹیکم گڈھ کی آبادی میں آگرے تھے جس سے کافی نقصان ہوا تھا اور کئی جانیں بھی ضائع ہوئی تھیں۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرحد پار کے ایک ملک کے سائنسدانوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا تھا آپ نے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا ہو گا۔"

"احتیاط کی دم۔" کوئی شرابی نشے میں بڑبڑایا۔ "احتیاط کی ماں کی ناک۔"

"آپ لوگ اس وقت براہِ کرم باہر نہ نکلیں۔" منیجر پھر بولا۔ "جب تک یہ ہیجان فرو نہ ہو جائے۔"

پورے ہال میں عجیب طرح کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ شرابی کی آواز ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

"ہیجان.... سالا.... قیامت تک فرو نہ ہو گا۔" وہ جھومتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"مسٹر میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" منیجر تیز لہجے میں بولا۔

"استدعا کی....!" وہ پلٹ پڑا۔ "استدعا کے ہجے بتاؤ میری جان.... استدعا.... الگ.... دعا الگ.... تم دعا کرو اور میں اپنے کمرے میں جا کر استدعا کرتا ہوں۔ داہنا ہاتھ سلامت ہے تو کیا پرواہ ہے۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے گاتا ہوا تمباکو نوشی کے کمرے میں چلا گیا۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟" حمید نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

"خبر نہیں.... لیکن چیز دلچسپ ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آخر ہم کب تک بندر ہیں گے۔" کسی نے منیجر سے پوچھا۔

”جب تک وہ روشنی ختم نہ ہو جائے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ احتیاط ضروری ہے۔“

”احتیاط کی ماں کی ناک۔“ تمباکو نوشی کے کمرے سے شرابی کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد آسمان پھر پہلے کی طرح صاف ہو گیا اور تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ قرب وجوار میں کہیں کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔

فریدی بہت زیادہ خاموش نظر آرہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی۔ حمید اسکے اس رویے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اس کی دانست میں یہ حیرت کی بات تھی ایسی عجیب و غریب بات سامنے آئے اور فریدی خاموش رہ جائے۔ یہ اس کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔

وہ دونوں کھانا کھا چکنے کے بعد پھر بالکونی میں آبیٹھے لیکن اس وقت وہ یہاں تنہا نہیں تھے۔ البتہ فریدی نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جو سب سے الگ تھلگ تھی۔

”آخر یہ کیا تھا؟“ حمید نے پھر پوچھا۔

”اماں رہا ہوگا کوئی ڈھونگ۔“ فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

”ڈھونگ تو میں اس وقت سمجھتا۔“ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”جب لوگ اُسے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھنے پر مصر ہوتے۔“

”ہوگا کچھ۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ حمید کی نظریں انہیں پہاڑوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ جدھر کچھ دیر قبل نیلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً پھر نیلی روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسی طرح تھوڑے، تھوڑے وقفے کے بعد کئی بار جھماکے ہوئے اور پھر ساری پہاڑیاں نیلی روشنی سے نہا گئیں لوگ پھر اٹھ اٹھ کر اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ فریدی اور حمید نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن نیچے ہال میں پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اس کے ساتھ نہیں ہے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔ ہال کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور لوگ سہمے بیٹھے تھے۔ حمید نے رینو کا کو دیکھا جس کی آنکھیں نشے میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے ساتھی کے شانے پر سر رکھ دیتی تھی۔ حمید اس طرح منہ بنانے لگا جیسے نادانستگی میں کوئی کڑوی کسیلی چیز کھالی ہو۔ قریب تھا کہ اس کا دماغ بہک جائے اسے یاد آیا کہ فریدی موجود نہیں۔ اس نے پھر ادھر

اُدھر نظریں دوڑائیں۔ یک بیک اُسے کچھ خیال آیا اور وہ اس کمرے کی طرف لپکا جس میں وہ دونوں مقیم تھے۔ کمرہ بھی خالی ملا۔

تھوڑی دیر میں اس نے پوری عمارت چھان ماری لیکن فریدی نہ ملا۔ آخر وہ پھر تھک ہار کر ڈائننگ ہال میں آبیٹھا۔ روشنی اب اتنی تیز ہو گئی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب خوف کے پہلے سے آثار نظر نہیں آرہے تھے لوگ شراب یا کافی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رینوکا اپنی میز پر تنہا تھی اس کی نشے سے بوجھل پلکیں جھکی جارہی تھیں کبھی کبھی وہ آنکھیں پھاڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"ارے!ارے۔" کئی آوازیں سنائی دیں اور کچھ لوگ دروازے کی طرف لپکے۔ حمید بھی ان کے پیچھے تھا۔ رینوکا کا ساتھی اُسے اندر کھینچ لایا۔ وہ نشے میں نہ جانے کیا کیا بک رہی تھی۔ پھر نیلی روشنی کے درمیان سے ایک ہوائی سی چھوٹی اور فضا میں چنگاریاں بکھیرتی ہوئی ہوٹل کی عمارت پر سے گذر گئی اس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ کہیں دور شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

سفید حادثہ

حمید رات بھر جاگتا رہا۔ فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اگر حمید ٹیکم گڈھ میں نووارد نہ ہوتا تو شاید کبھی کا فریدی کی تلاش میں نکل گیا ہوتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر ایک عجیب قسم کا خوف مسلط تھا، جسے موت کا خوف نہیں کہا جاسکتا۔ یونہی بس بے نام سا ایک خوف۔ آبادی سے کسی حادثے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ہوائی آبادی میں نہیں گری تھی۔ بلکہ اسے کسی نے گرتے ہی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیدھی مغرب سے مشرق کی طرف چلی گئی تھی۔

تقریباً چار بجے فریدی آیا اس نے اپنا کوٹ اتار کر کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور ٹائی کی گرہ سینے پر جھول رہی تھی۔ بال پریشان تھے۔ گھٹنوں پر پتلون میلی ہو رہی تھی اس پر گھاس کے ہرے ہرے دھبے بھی تھے۔

اس نے آتے ہی کوٹ ایک طرف اچھال دیا اور خود آرام کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

"اس حلئے میں آپ صدر دروازے میں داخل ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں پچھلی دیوار پھلانگ کر یہاں تک پہنچا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن جلدی کرو۔ میرا اسلیپنگ سوٹ کہاں ہے۔"

اس نے جلدی جلدی کپڑے اتار کر سلیپنگ سوٹ پہن لیا اور اتارے ہوئے کپڑے ایک تولئے میں باندھ کر باہر نکل گیا جب وہ چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔

"چلو! لیٹ جاؤ.... بستر پر اور سونے کی کوشش کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

"آخر کیا بات ہے۔"

"چپ چپ! ملٹری کے کچھ سپاہی میرے تعاقب میں ہیں۔ ممکن ہے یہاں کی تلاشی لی جائے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ....!" حمید معنی خیز نظروں سے سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کپڑے کہاں چھپائے۔"

"نالے میں.... وہ اب تک کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہوں گے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ چند ہی ثانیے بعد دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لکڑی کی عمارت بھاری بھرکم جوتوں کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ حمید آنکھیں ملنے لگا تاکہ اگر اس کمرے کی بھی تلاشی ہو تو آنے والے یہی سمجھیں کہ وہ اچانک جاگا ہے۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے ان کا دروازہ بھی پیٹا۔ حمید چپ چاپ دم سادھے لیٹا رہا۔ دروازہ بدستور پیٹا جا رہا تھا۔

"کون ہے؟" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ پھر بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ "کیا بیہودگی ہے۔ میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا۔"

پھر اس نے بجلی جلا دی۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھول دیا ایک لیفٹیننٹ دو سپاہیوں کے ساتھ اندر گھس آیا اس نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا! پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی گرج کر بولا۔

"شور مت مچاؤ! ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"گٹ آؤٹ۔" فریدی حلق کے بل چیخا۔ "ورنہ ٹھوکر مار نکال دوں گا۔ تمہارے جیسے سیکنڈ

لیفٹیننٹ میرے بوٹ صاف کرتے ہیں۔"

"شٹ اَپ۔" لیفٹیننٹ گرجا۔

اتنے میں ہوٹل کا منیجر بھی آگیا۔

"اوہ کیپٹن صاحب۔" وہ فریدی کی طرف منہ کر کے بولا۔ "بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک مشتبہ آدمی کو ہوٹل کی دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"اور اب وہ مشتبہ آدمی ہماری جیبوں میں آچھپا ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا اور لیفٹیننٹ صاحب یہ آپ کس کے حکم سے شریف آدمیوں کے دروازے پیٹتے پھر رہے ہیں۔ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے اور پھر آپ کو تلاشی لینے کا حق کب پہنچتا ہے۔ وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" لیفٹیننٹ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں ابھی تمہارے یونٹ کمانڈر کو فون کرتا ہوں۔ غالباً تم وگراج کے درے والے دستے سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بات تو سنئے۔"

"اگر تمہیں کوئی مشتبہ آدمی دکھائی دیا تھا تو تمہیں ہوٹل کا محاصرہ کرنے کے بعد مقامی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ تم کس طرح گھس پڑے۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ۔"

"چار....!"

"بقیہ دو کہاں ہیں۔"

"دوسرے کمروں میں تلاشی لے رہے ہیں۔"

"اور دروازہ خالی ہے! بہت اچھے! کیا کارگذاریاں ہیں۔ لیجئے جناب یہ کمرہ بھی حاضر ہے۔"

وہ تینوں اِدھر اُدھر دیکھ کر جانے لگے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ کو شبہ ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے یا مستقل طور پر یہاں رہتا ہے۔"

"ہاں! ورنہ وہ یہاں گھسنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اس کی شکل دیکھی تھی۔"

"نہیں۔"

"دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر فائر کیوں نہیں کیا۔"

لیفٹیننٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کس بات کا شبہ تھا اس پر۔"

"اس سے آپ کو کیا سروکار۔" لیفٹیننٹ نے جھلا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

فریدی نے دروازہ بند کرتے وقت پلٹ کر حمید کو آنکھ ماری.... اور شرارت آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ کیا دھماچوکڑی تھی۔"

"چھوڑو یار۔ خواہ مخواہ ایک سوٹ ضائع ہو گیا۔ میں اسے اتنا ڈیوٹ نہیں سمجھتا تھا۔"

"لیکن یہ لوگ کس طرح اور کہاں سے آپ کے پیچھے لگ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھو۔" فریدی بیٹھ کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "بہر حال یہ سوچنا فضول ہے کہ سرحد کے نگہبان غافل رہتے ہیں۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"یار تم بعض اوقات بھیجا چاٹ جاتے ہو۔ میں وگراج کے درے کی طرف نکل گیا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ نگہبان کس موڈ میں ہیں۔ تم نے ابھی وہ جگہ نہیں دیکھی۔ کچھ ایسی الٹی سیدھی چٹانیں ہیں کہ پوری پلٹن ان کی اوٹ لیتی ہوئی سرحد پار کر جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن اس وقت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نگہبانوں کی عقابی آنکھوں سے ایک آدمی بھی چھپ نہیں سکتا۔ نہ جانے انہوں نے کب مجھے دیکھ لیا۔"

"پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔

"پھر کیا" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم خود سوچ سکتے ہو کہ ہمارا سونا کس طرح سرحد پار کرتا ہے۔"

"ایسی حالت میں تو واقعی تعجب خیز ہے۔"

"خیر.... خیر چھوڑو۔ اس بار بڑا لطف رہے گا۔" فریدی بستر پر لیٹ کر چادر کھینچتا ہوا بولا۔

"پانچ بج رہے ہیں کچھ نہ کچھ تو سونا ہی چاہئے۔"

حمید الجھن میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن نیند کے بوجھ سے دبے ہوئے مضمحل دماغ نے کسی قسم کی خلش گوارا نہ کی اور بہت جلد بے خبر ہو گیا۔

اور پھر جب وہ فریدی کے جھنجھوڑنے پر اٹھا تو میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نو بجا رہی تھی۔

"نو ہی تو بجے ہیں ابھی۔" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

"تو اٹھارہ تو کبھی نہیں بجیں گے۔" فریدی نے اسے سیدھا کر دیا۔

حمید اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ مجھے قبر سے بھی اکھاڑ لائیں گے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بشرطیکہ تمہاری لاش پوسٹ مارٹم کے بغیر دفن کر دی گئی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"وہ رہا تولیہ.... اور غسل خانہ ادھر ہے جلدی کرو ورنہ قبل از وقت بوڑھا کر دوں گا۔ اس وقت میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

حمید اسے گھورتا ہوا پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"ایک حیرت انگیز خبر ہے۔ حمید صاحب! انتہائی حیرت انگیز۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"وگراج گھاٹ پر اُسی مقام پر ایک لاش پائی گئی ہے جہاں کل رات کو میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"بڑی حیرت انگیز خبر ہے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہ لاش کیا چیز ہوتی ہے فریدی صاحب؟"

"اگر سیدھی سادھی لاش ہوتی تو میں تمہیں طنز کرنے کا موقع نہ دیتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ جو مرنے سے قبل چھبیس یا ستائیس سال کا تھا مرنے کے بعد اسی سال سے کم کا معلوم نہیں ہوتا۔"

حمید متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھنے لگا۔

"یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کا سرجنٹ رمیش جس کی عمر ستائیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔" فریدی پھر بولا۔

"تو پھر.....!"

"مرنے کے بعد اس کے جسم کے روئیں تک سفید ہو گئے ہیں۔ حد یہ کہ پلکوں کے بال بھی۔"

"مرا کس طرح۔"

"یہ ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔"

"آپ لاش دیکھ آئے ہیں۔"

"نہیں۔"

"تب تو یہ ایک شاندار غپ معلوم ہوتی ہے۔" حمید تولیہ کاندھے پر ڈال کر اٹھتا ہوا بولا۔

"میں نے بھی پہلے اسے غپ ہی سمجھا تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ابھی نصرت صاحب نے بھی مجھے فون پر اس کی اطلاع دی ہے۔"

"نصرت صاحب۔"

"ہاں ہاں..... یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ۔"

"تب تو واقعی حیرت ہے۔"

"ہم وہیں چل رہے ہیں جلدی کرو۔"

دس بجے وہ دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے کوتوالی کے سامنے اتنی بھیڑ تھی کہ ٹریفک رک گیا تھا۔ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح پھاٹک تک پہنچے یہاں پہرے داروں نے انہیں روکا۔

پہرے دار اس کے اشارے پر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

اندر بھی خاصی بھیڑ تھی۔ دو ایک آفیسروں نے انہیں گھور کر دیکھا۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت انہیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔

"ہیلو کیپٹن یاور.....!" اس نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ غالباً اس عجیب و غریب حادثے کی خبر آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔' آپ کی تعریف۔"

"میرے دوست کیپٹن جلیس۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میں لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کیپٹن یاور سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے ہیں۔" میجر نصرت نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے کہا جو قریب ہی کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اوہ.....!" وہ فریدی سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر وہ اس کمرے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔

لاش پر سے چادر ہٹتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چہرہ واقعی جوانوں کا سا تھ مگر سر کے بال۔ بھوئیں پلکیں سب سفید برف کے گالوں کی طرح بے داغ۔ کمرے میں ان تینو کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فریدی غور سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا اس نے مرنے والے کا داہنا ہاتھ اٹھا کر کچھ دیکھا۔ پھر بے چینی سے اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''ایک محدب شیشہ چاہئے۔'' اس نے نصرت سے کہا۔

''محدب شیشہ.... اچھا۔'' میجر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''مگر میرا ہینڈ بیگ وہ یہیں ہوگا۔''

وہ پھر لوٹ پڑا اور چھوٹی سی میز پر رکھا ہوا ایک ہینڈ بیگ کھولنے لگا۔

''ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کیس کے متعلق۔!'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''بھئی میں نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ بعض ضعیف الاعتقاد اسے کوئی شیطانی حرکت سمجھتے ہیں۔ رات والی نیلی روشنی..... آپ کو اس کا حال معلوم ہوا؟ غالباً آپ نے بھی دیکھی ہوگی۔''

''مجھے معلوم ہے! لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ تھا۔'

''چنگاریوں کی وہ بوچھاڑ بھی دیکھی تھی آپ نے جس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔'' میجر نصرت نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس کا رخ وگراج کے درے ہی کی طرف تھا۔''

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رمیش اُس حربے کا شکار ہو گیا ہے۔'' میجر نصرت بولا۔

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ڈاکٹر کی کیا رائے ہے؟''

''صحیح حال تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ ویسے سول سرجن کی رپورٹ کے مطابق موت اچانک دورانِ خون بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔''

''اور بالوں کی سفیدی؟''

''اس بارے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔''

''ہوں....!'' فریدی دوبارہ لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ ''شیشہ''

میجر نصرت نے محدب شیشہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فریدی لاش کے داہنے ہاتھ کی

نگلیوں کو محدب شیشے کی مدد سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر آسودگی کے آثار دیکھے پھر فریدی نے اپنے ہونٹ سکوڑے ور پر خیال انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور میجر نصرت کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ کا علم صرف آپ اور سول سرجن تک محدود رہنا چاہئے۔'' ریدی نے کہا۔

''کیوں....؟'' میجر نصرت چونک کر بولا۔

''رمیش ڈیوٹی پر ہی تھا نا۔''

''ہاں....!''

''وگراج کے درے پر....!''

''ہاں....ہاں!''

''تو ایسی صورت میں اس کی موت کا تعلق ان واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جن کے سلسلے میں یں یہاں طلب کیا گیا ہوں۔'' فریدی نے محدب شیشہ میجر نصرت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ....! مگر....!''

''آپ اس کے متعلق سول سرجن کو پہلے ہی سے بتا دیجئے! باقاعدہ طور پر آپ کو جو رپورٹ ملے وہ گول مول قسم کی ہونی چاہئے۔ مثلاً یہ کہ موت پُر اسرار طریقے پر ہوئی یا اچانک دورانِ خون بند ہو جانے کی بناء پر ہوئی یا کوئی اور بات بہر حال حقیقت چھپانی ہے۔''

بوڑھی لاش کا راز

بوڑھا میجر نصرت تحیر آمیز انداز میں فریدی کو گھور رہا تھا اور فریدی لاش پر پھر جھک گیا تھا۔ س نے اس کے سارے جسم کے کپڑے الگ کر دیئے تھے اور غور سے ایک ایک حصے کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس پر چادر ڈال دی۔

''کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔'' میجر نصرت نے پوچھا۔

''جی ہاں! ایک نہایت معمولی بات ہے! آپ ان انگلیوں پر یہ نشان دیکھ رہے ہیں۔'' فریدی

نے متوفی کا داہنا ہاتھ چادر سے نکالتے ہوئے کہا۔

میجر نصرت نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔

"یہ کسی چیز کے جلنے کے ہیں۔"

"قطعی.... لیکن۔"

"ٹھہریئے۔" فریدی نے پھر اس کے ہاتھ سے محدب شیشہ لے لیا اور انگلیوں کو دیکھنے لگا۔

"ذرا ادھر آیئے اور دیکھئے۔"

میجر نصرت محدب شیشے پر جھک گیا۔ فریدی بولتا رہا۔ "نشان جلنے ہی کا ہے اور بُری طرح جلنے کا۔ لیکن کیا یہ آگ سے جلا ہے؟"

"ظاہر ہے۔" میجر نصرت سر ہلا کر بولا۔ "یہی وجہ ہے کہ نیلی روشنی۔"

"نیلی روشنی کو فی الحال الگ ہی رکھئے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ چنگاریاں بکھیرتی ہوئی ممکن ہے جلا سکتی ہو۔ لیکن کسی جوان کو بوڑھا نہیں کر سکتی۔"

"پھر! تو کیا یہ داغ ہی بالوں کی سفیدی کی وجہ ہیں۔" میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"اگر آگ نہیں تو پھر کس چیز کے ہو سکتے ہیں۔"

"ریڈیم۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ریڈیم۔"

"جی ہاں! اس سے متاثر شدہ کوئی اور دھات۔ ہیجان اور سنسنی پھیلانے کا ایک طریقہ۔"

میجر نصرت فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی سب کچھ بتا دے گی۔ ڈاکٹر کی توجہ ان داغوں کی طرف خاص طور سے مبذول کروایئے گا۔ لیکن راز داری ضروری ہے۔ حقیقت صرف ہم چاروں تک ہی محدود رہنی چاہئے۔ ہم ایک بہت خطرناک گروہ سے دوچار ہیں جس میں دہشت پسندوں کے علاوہ کچھ بہترین دماغ بھی موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھی سرجنٹ حمید ہیں۔ آپ نے انہیں انتہائی پوشیدہ طور پر بلوایا تھا لیکن پھر بھی ان پر حملہ کیا گیا۔"

"کب اور کس طرح۔" میجر نصرت چونک کر بولا۔

فریدی نے سارے واقعات مختصر الفاظ میں دہرا دیئے۔

"حیرت انگیز! انتہائی تعجب خیز۔" میجر نصرت آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ڈرائیور حقیقتاً ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ میرے محکمے کا ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں خاص طور سے اُس کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ محکمہ میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو اس گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہے۔"

"میں بُرا نہیں مانتا۔" میجر نصرت نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہمارے ناکارہ پن کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ باہر سے مدد لینی پڑی۔"

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اور آپ مجھ سے زیادہ جہاندیدہ ہیں۔ باہر سے آپ کو محض اس لئے مدد لینی پڑی ہے کہ آپ کے محکمے کے راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بھلا اس میں ناکارہ پن کو کیا دخل! خیر آیئے میں زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے لئے میں کب آپ کو فون کروں۔ مگر نہیں.... یہ بات فون پر بھی نہ ہونی چاہئے۔ خیر میں خود ہی کسی نہ کسی طرح آپ سے مل لوں گا۔"

کوتوالی سے واپسی پر حمید نے فریدی کو چھیڑا۔

"آپ واقعی اس قابل ہیں کہ آپ کو کسی فریم میں لگا کر کسی زیارت گاہ میں رکھ دیا جائے۔"

"کیوں؟"

"آج سے پہلے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سائنٹسٹ بھی ہیں۔"

"سائنٹسٹ وائنٹسٹ کچھ خاک بھی نہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "البتہ میرے ذہن کی تربیت خاص اصولوں کے تحت ہوئی ہے۔"

"ذرا وہ اصول بھی بتا دیجئے۔"

"ختم بھی کرو۔ اس وقت میرا دماغ بہت الجھا ہوا ہے۔"

"صرف اتنی سی بات اور بتا دیجئے کہ آپ کا اندازہ غلط ثابت ہوا تو۔"

"تو میں سمجھوں گا کہ ٹی۔ ایس۔ اسٹریلنگ جاہل اور نکما ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس کے ایک سائنس فکشن میں اس قسم کا ایک کیس پڑھا تھا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ نے بہرام کی خالہ کی ناک پڑھی ہوتی تو بہتر تھا۔"

"خیر چھوڑو! یہ بتاؤ کہ عام حالات میں قدرتی طور پر کیوں بال سفید ہو جاتے ہیں۔"

"بڑھاپے کی وجہ سے۔" حمید تڑ سے بولا۔

"بڑھاپا کیسے آتا ہے؟"

"اللہ کے حکم سے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ نہ جانے کیوں اس وقت خشک قسم کی باتوں سے کترانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم دھکے کیوں کھا رہے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"آپ کی عنایت اور اپنی شامت سے۔"

"تمہارے دونوں کان اکھاڑ کر منہ میں رکھ دوں گا۔"

"اچھا ہے بڑھاپے میں عینک کے دام بچیں گے۔"

"ارے حمید کے بچے۔"

"غلط سنا ہے آپ نے والد صاحب کا نام وحید ہے۔"

"شٹ اپ....!"

"فاسفورس اور ریڈیم میں کیا فرق ہوتا ہے۔" حمید نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"وہی جو تم میں اور گدھے میں ہے۔"

"عزت افزائی آپ کی۔" حمید رکتا ہوا بولا۔ فریدی بھی رک کر اسے گھورنے لگا۔

"اب کیا مطلب ہے۔"

"میں اس فرق کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"حمید فضول باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خود میری بھی یہی کیفیت ہے۔"

"تو جاؤ جہنم میں۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے فرق سمجھ میں آ گیا۔" حمید پھر چلنے لگا۔ "کوئی گدھے والا کسی اڑیل گدھے کو جہنم کے سپرد کر کے آگے نہیں بڑھ جایا کرتا.... یعنی میں گدھے سے بھی بدتر ہوں.... یعنی.... یہ کہ آپ....!"

"یار خدا کے لئے چپ رہو۔"

"اب آئے ہیں راہ پر.... چلئے چپ ہو گیا۔"

وہ دونوں بازار سے گذر رہے تھے۔ یہاں بڑی بڑی اور شاندار عمارتیں نہیں تھیں۔ زیادہ تر لکڑی کی ہی عمارتیں نظر آ رہی تھیں لیکن ان میں بھدی ایک بھی نہ تھی۔ طرح طرح کے رنگ و روغن استعمال کر کے انہیں خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک جگہ لکڑی ہی کا ایک کلاک ٹاور بھی دکھائی دیا، جو زیادہ بلند نہیں تھا۔ لیکن اس پر اتنی نفیس نقاشی کی گئی تھی کہ تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

"آخر یہاں کے لوگوں کو لکڑی سے کیوں اتنی محبت ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوں!" فریدی چونک کر بولا۔ "لکڑی.... بات دراصل یہ ہے کہ یہاں آئے دن زلزلے آتے رہتے ہیں۔"

"خدا کرے ہمارے دوران قیام میں بھی آئے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے آج تک زلزلہ نہیں دیکھا۔"

"کیوں بیٹے کیا اس بھیانک جزیرے کا زلزلہ بھول گئے؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔ "تم پھر بولنے لگے۔"

"بس ایک آخری بات اور....!" حمید ایک ریستوران کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

حقیقت تو یہ تھی کہ اُس ریستوران میں حمید کو ایک جانی پہچانی صورت نظر آئی تھی یہ رینو کا تھی اور ایک میز پر تنہا بیٹھی غالباً لنچ کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ مینو اس کے ہاتھوں میں تھا۔ فریدی چپ چاپ ریستوران میں داخل ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب حمید کے لگام لگنی مشکل ہے۔

"اوہ کیپٹن یاور!" رینو کا انہیں دیکھ کر مسکرائی۔ "اس طرف یہیں اس میز پر آیئے! میں صبح سے آپ کی تلاش میں تھی۔"

فریدی طوہاً و کرہاً اُسی میز کی طرف بڑھا۔ حمید اُس سے دو قدم آگے تھا۔

کھانے کے دوران میں اس حیرت انگیز لاش کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔

"مجھے تو یقین نہیں آتا۔" رینو کا بولی۔ "لوگ عموماً رائی کے پہاڑ بنایا کرتے ہیں۔"

"میں خود دیکھ کر آرہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ کوتوالی میں اس وقت داخلہ بند ہے۔"

"اخباری نمائندوں پر کوئی پابندی نہیں۔" فریدی نے کھاتے کھاتے سر اٹھا کر کہا۔ "آپ لنچ کے بعد چائے پیتی ہیں یا کافی؟"

"کافی! لیکن بڑی حیرت کی بات ہے اگر آپ دیکھ کر نہ آئے ہوتے تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔"

"اور میں واقعی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا ایک غلط راستے پر نکل آئی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"ہمارے آباؤ اجداد احمق نہیں تھے۔" فریدی لنچ ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ "انہوں نے یقیناً روحیں دیکھی ہوں گی بدارواح کے متعلق ان کا خیال غلط نہیں تھا۔"

"چچ چچ...." رینو کا نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں آپ کو بہت روشن خیال سمجھی تھی۔"

"روشن خیالی اپنی جگہ اور ایسے حقائق اپنی جگہ جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پھر بیرے کو کافی کا آرڈر دے کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے وہ لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوتی تو اس حادثے کو محض ایک شاندار غپ سمجھتا۔ مگر ایسی صورت میں میری روشن خیالی کس طرح برقرار رہ سکتی ہے۔"

"تو آپ بدارواح کو کیوں درمیان میں لاتے ہیں۔" رینو کا نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کل رات والی نیلی روشنی کا شکار ہوا ہو۔"

"بس ایک آدمی! اگر ایسا ہوتا تو دو چار اور بھی شکار ہوتے۔"

"مس رینو کا۔" حمید میز پر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "آپ یاور کو قائل نہیں کر سکتیں جب

کہ وہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہے۔"

"یعنی....!" رینوکا مسکرا کر بولی۔

"وہ عورت اسے گوشت پوست میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے اس کے دیدار سے محروم رہتے ہیں اور یہ اس سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا ہے۔"

فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے حمید کی اس بکواس کی تردید نہیں کی! اس کا رویہ دیکھ کر حمید اور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"جب یہ دس سال کا تھا...." حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "اس وقت وہ جوان تھی۔ ایک دن اپنی چھت سے گر کر مر گئی۔ تبھی سے یہ اُسے دیکھ رہا ہے اس پر بُری طرح مرتا ہے اور وہ بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ پچھلی عالمگیر جنگ میں اسے اٹلی میں ایک حادثہ پیش آجاتا مگر اس حسین روح نے اسے پہلے ہی سے اس کی اطلاع کر دی تھی۔ لہٰذا یہ صاف بچ نکلا وہ مصیبت کے وقت ضرور اس کے کام آتی ہے۔"

رینوکا سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں اس دوران میں خوفناک ہو گئی تھیں اور ان میں کچھ ایسی ویرانی نظر آرہی تھی جیسے وہ سامنے والی دیوار کے پیچھے کچھ دیکھ رہا ہو۔

فریدی کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے تھے پھر اس کی سرگوشی سنائی دی۔ "وہ آگئی سلیمہ .... میری جان۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے نیند کی حالت میں چل رہا ہو۔ رینوکا نے اٹھ کر اسے روکنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ پکڑ کر اُسے بٹھا دیا۔

"اس وقت اسے چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

رینوکا بیٹھ گئی لیکن اس کی خوفزدہ آنکھیں اس دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جس سے فریدی باہر گیا تھا۔ پھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ حمید دوسرے ہی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر فریدی نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے تو محض اُسے چڑھانے کے لئے ایک بے پر کی اڑائی تھی۔ فریدی نے اسے حقیقت کا رنگ کیوں دے دیا۔ مگر یہ الجھن زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ ایک دوسرا خیال ذہن کے کسی گوشے سے ابھر آیا تھا فریدی نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ حرکت کی تھی اور اب حمید کو کھانے کی قیمت اپنے ہی جیب سے ادا کرنی

پڑے گی۔

"کیپٹن یاور کہاں گیا ہوگا۔" رینو کا نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" حمید بے خیالی میں بولا۔ لیکن پھر چونک کر کہنے لگا۔ "کیا پوچھا تھا آپ نے۔"

"آپ کا دوست کہاں گیا ہوگا۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا حقیقتاً وہ عورت اُسے دکھائی دیتی ہے۔"

"میں نے بتایا نا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دکھائی دیتی۔" حمید اکتا کر بولا۔ اس کی الجھن بڑھ گئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت اس کے پرس میں دس بارہ روپوں سے زیادہ نہیں تھے وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بل زیادہ کا ہوا تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔" رینو کا نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اگر اس وقت کسی موٹر سے ٹکرا کر مر جائے تو کتنا اچھا ہو۔"

"کیوں؟" رینو کا چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں یونہی.... وہ اپنے گھر والوں کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔"

"بیوی بچے ہیں۔" رینو کا نے پوچھا۔

"اس نے شادی ہی نہیں کی.... لیکن بچے کئی عدد ہیں۔"

"جی....!"

"جی ہاں.... اس نے ایک یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں.... کیا آپ بھی....!"

"جی ہاں میں بھی۔" حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ویٹر بل لایا اور یہ دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی کہ وہ دس روپے کچھ آنے کا تھا۔ اس نے بل ادا کر دیا اور اب رینو کا اسے پہلے کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

"چھوڑیئے بھی! وہ کچھ دنوں بعد پاگل ہو جائے گا۔" حمید رینو کا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ آپ مصور ہیں لیکن آپ خود نہ جانے کس کا شاہکار ہیں۔ آپ کی پلکوں کی چھاؤں کتنی خنک ہوگی۔"

"اوہ آپ نے وہی ملٹری والوں کی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔" رینو کا بگڑ کر بولی۔ "میں کوئی

آوارہ عورت نہیں ہوں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" حمید سہم کر بولا۔ "میں آپ کی کافی عزت کرتا ہوں۔"

"مجھے اب جانا چاہئے۔" رینو کا اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔"

مونچھ اکھاڑنے والی

حمید کو ٹیکم گڈھ آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے، لیکن معاملات جہاں کے تہاں تھے۔ اس دوران میں پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ بھی ملی تھی جو فریدی کے خیال کے عین مطابق تھی۔ سرجنٹ رمیش کی موت ریڈیم ہی سے واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں بالوں کی سفیدی کے متعلق ایک اچھی خاصی سائنٹیفک بحث تھی جسے کم از کم حمید نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان میں اس حادثے کی اصل وجہ سے لاعلمی ظاہر کی گئی تھی۔ بہرحال پبلک کا خیال تھا کہ وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ نیلی روشنی اب بھی وقتاً فوقتاً دکھائی دے جاتی تھی۔ ایسے موقع پر پورے شہر میں اس طرح سناٹا چھا جاتا تھا جیسے وہ یک بیک زندوں کی بستی سے قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہو۔

فریدی کی نہ جانے کتنی راتیں پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گذر گئی تھیں۔ لیکن سب بے سود۔ وہ راستہ معلوم نہ ہو سکا جدھر اسمگلنگ ہوتی تھی.... فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تفکر کی گہری لکیریں اس کی پیشانی پر نمایاں رہتیں۔

پہلے حادثے کے ٹھیک سولہویں دن وگراج کے درے کے قریب ایک لاش اور ملی یہ بھی ایک جوان آدمی کی لاش تھی اور اس کے جسم کے بھی سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ یہ اسی فوجی دستے کا ایک سپاہی تھا۔ جو وگراج کے درے کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس رات پھر نیلی روشنی کے سیل سے ایک چنگاری بکھیرتی ہوئی ہوائی چھوٹی تھی اور اس کا رخ بھی وگراج کے درے ہی کی سمت تھا۔

ٹیکم گڈھ کی آبادی ایک بار پھر بدحواسیوں کا شکار ہو گئی۔ ہمسایہ ملک سے ایک بار احتجاج کیا گیا۔ لیکن وہی جواب ملا جو پہلے ملا تھا۔ یعنی کسی ایسے حربے کا تجربہ نہیں کیا۔

آج صبح سے فریدی کچھ الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا تھا۔ رات کے تقریباً 2 بجے باہر سے واپسی ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی وہ سویا نہیں تھا۔ حمید کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی حالت میں فریدی سے بولنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ فریدی آنکھیں بند کیۓ آرام کرسی پر لیٹا تھا۔ اس کے دونوں پیر غیر ارادی طور پر ہل رہے تھے۔ حمید نے آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ فریدی چونک کر اُسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

"میں کہتا ہوں آخر مجھے ساتھ ساتھ باندھے رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" حمید نے کہا۔

فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے ہی حمید اس پر باز کی طرح جھپٹ پڑا۔

"کوئی تک ہے آخر؟ جب مجھے عضو معطل سمجھا جاتا ہے تو پھر میری ضرورت ہی کیا ہے؟" اس نے بھنا کر کہا۔ "اگر دیکھ بھال کی ضرورت ہے تو ایک انّا رکھ لیجئے جو رات کو تھپک تھپک کر سلا بھی دیا کرے گی۔"

"میں تمہیں عضو معطل نہیں سمجھتا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یہ جانتا ہوں کہ تم کب اور کہاں کام آسکو گے۔"

"میدان حشر کے علاوہ اب کہیں اور کام نہیں آسکتا۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"خیر اگر یہی بات ہے تو کسی طرح اس عورت سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"عورت....!" حمید اچھل کر بولا۔ "کیا مطلب! کون عورت۔"

"رینو کا۔" فریدی سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

"صاف صاف کہیۓ۔"

"اس نے مجھ سے باقاعدہ عشق شروع کر دیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"رونے کی ضرورت نہیں!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں بھئی....!"

"تو اس سے شادی کر لیجئے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جب آپ اس کے شوہر ہو جائیں گے تو وہ آپ کو اُلو سمجھنے لگے گی۔"

"بکومت۔"

"میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ہر عورت اپنے شوہر کو اُلو سمجھتی ہے۔ چاہے شادی سے قبل اس پر عاشق ہی کیوں نہ رہی ہو البتہ دوسروں کے شوہر اسے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ چاہے وہ سچ مچ اُلو کے پٹھے ہی کیوں نہ ہوں۔"

"کوئی کام کی بات کرو۔"

"خیر چھوڑیئے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "یہ رینو کا کہاں سے ٹپک پڑی۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ اسمگلنگ کے متعلق کچھ کہیں گے۔"

"سب سے پہلے اس عورت کا مسئلہ طے ہونا چاہئے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"مجھے اس پر شبہ ہے.... وہ مصور نہیں ہے۔"

"یہ آپ نے کیسے جانا۔"

"بالکل سیدھی سی بات ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ بغرض تفریح یہاں آئی ہے لیکن ایسی پُر فضا تفریح گاہوں میں آرٹسٹ قسم کے لوگ خالی ہاتھ نہیں آیا کرتے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"نہ تو اُس کے پاس مصوری کا سامان ہے اور نہ کوئی اسکیچ بک۔ اگر وہ دوسرا سامان اپنے ساتھ نہیں لا سکی تو کم از کم ایک اسکیچ بک تو اس کے پاس ہونی ہی چاہئے تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اس کے پاس نہیں ہیں۔"

"میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی۔"

"یہ کب؟"

"اُسی دن جب تم دونوں کو اُلو بنا کر ریستوران سے چلا آیا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ شروع ہی سے اس کی طرف سے مشکوک تھے۔"

"قطعی۔"

"اس کی وجہ۔"

"میں نے اُسے وگراج درے کے چند محافظوں کے ساتھ ایک ریستوران میں دیکھا تھا۔"

"آپ انہیں پہچانتے ہیں۔"

"ایک ایک کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔"

"لیکن ان محافظوں کے ساتھ اس کا پایا جانا میرے خیال سے تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" حمید نے کہا۔ "ویسے اس کے ساتھی راحیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"راحیل کے متعلق میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک پیشہ ور شکاری ہے اور موسم کے شکار کے لئے جگہ تجویز کرنے آیا ہے۔"

"رینو کا اسے کب سے جانتی ہے۔"

"میرے خیال سے وہ دونوں یہیں ملے ہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مجھ سے کیوں اکھڑی اکھڑی رہتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ممکن ہے تمہاری شکل اس کے بھائی سے ملتی جلتی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ گالیوں پر اتر آئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"اگر اس سے تمہارے جذبات کو ٹھیس لگی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"چھوڑیئے! میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اخاہ!" فریدی ہنس کر بولا۔ "آج آپ بھی مذاق کے موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہاں! ہاں! مجھے سوچنے دیجئے۔"

"کیا سوچنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ رینو کا اب سے دس سال پہلے کتنی حسین رہی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور سوچنا بھی نہیں چاہئے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ حمید سمجھتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر تک بالکنی میں بیٹھنے کے بعد واپس آجائے گا آج کل وہ زیادہ تر بالکنی ہی میں بیٹھتا تھا اور اس کی آنکھیں مغربی افق کے اس حصے پر جمی رہا کرتی تھیں جہاں نیلی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری موت کے بعد اس کی نظروں میں اس حیرت انگیز روشنی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی.... فریدی اس رات کو بھی وگراج کے درے کے قریب ہی ایک جگہ چھپا ہوا تھا جس کی صبح کو دوسری لاش ملی تھی۔ اس نے

روشنی نمودار ہوتے ہی نگہبانوں کو ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے دیکھا تھا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے لئے درہ اور ان کے خیمے قطعی ویران ہوگئے تھے۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ واپسی پر وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر جم گئے تھے۔ ان کے آفیسر نے ان سے باز پرس نہیں کی تھی۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ آفیسر بھی انہیں بھاگنے والوں میں شامل رہا ہوگا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد بالکونی کی طرف نکل آیا۔ لیکن فریدی وہاں نہیں تھا البتہ اس نے رینوکا کو دیکھا جو ریلنگ پر آگے کی طرف جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر وہ اس طرح چونکی کہ کبوتر اس کے ہاتھوں سے نکل کر اڑ گیا۔

”کبوتر اڑا دیا آپ نے میرا۔“ وہ کھسیانے انداز میں بولی۔

”میں نے، کمال کرتی ہیں آپ!“

”اتنی مشکلوں سے پکڑا تھا۔“

”خیر میں دوسرا لا دوں گا۔“ حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ الگ ہٹ گئی۔ وہ عمارت کے گرد منڈلاتے ہوئے کبوتر کو دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اسے باتوں ہی باتوں میں روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکی اور پھر اس کے بعد ہی اُسے بھی واپس چلا آنا پڑا کیونکہ بالکونی بالکل ویران تھی اور چاروں طرف پھیلی ہوئی تیز دھوپ آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

فریدی نے رینوکا کے خلاف شبہ ظاہر کر کے حمید کو نئی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ لیکن اس نے شبہے کی جو وجہ بتائی تھی۔ زیادہ پائیدار نہ تھی۔ اُسے زیادہ سے زیادہ ایک شک میں مبتلا دماغ کا پیدا کردہ ایک وہم کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس کا تجربہ بھی تھا کہ فریدی کے شبہات شاذ و نادر ہی غلط نکلتے تھے تو پھر کیا وہ کوئی بات اس سلسلے میں حمید سے چھپا رہا تھا۔ وہ بات جس پر اس نے اپنے شبہے کی بنیاد رکھی تھی۔ حمید شام تک اس گتھی میں الجھا رہا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر قبل فریدی واپس آگیا۔ خلاف توقع وہ اس وقت کافی بشاش نظر آرہا تھا۔ ماتھے کی سلوٹیں مٹ گئی تھیں اور ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہنے والی آنکھیں ایک خاص قسم کی چمک سے مخمور تھیں۔ ایسی چمک جو کسی شریر بچے کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی نئی شرارت کا پلان مرتب کرتا ہے۔

"اس وقت بڑے حسین لگ رہے ہیں آپ۔" حمید نے اسے چھیڑا۔

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن ذرا جلدی سے اٹھ کر سامان تو اکٹھا کرو۔ ہمیں یہ ہوٹل ہی چھوڑ دینا ہے۔"

"کیوں؟"

"وقت مت برباد کرو۔" فریدی نے کہا۔ "نیچے گاڑی کھڑی ہے۔ اس میں سامان رکھ کر واپس آجاؤ۔ جلدی کرو۔ جلدی۔ میرا منہ کیوں تک رہے ہو! چلو۔"

حمید دانت پیستا ہوا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

سامان گاڑی پر بار کر کے جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ فریدی ڈائننگ ہال میں رینوکا کے ساتھ بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔

رینوکا اس سے کہہ رہی تھی۔ "یاور تمہاری عدم موجودگی میں ٹیکم گڈھ کے دن اور رات بے کیف ہو کر رہ جائیں گے۔"

"صرف تین دن۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کمرہ میں نے چھوڑا نہیں ہے۔ اگر وہ میرے بھائی کی علالت کا تار نہ ہوتا تو میں اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا۔ مگر ایسی صورت میں جانا ضروری ہے۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" رینوکا نے کسی فلم کی ہیروئن کی طرح رومانی انداز میں کہا اور حمید اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔

"اوہ کیپٹن جلیس....!" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ "آپ بھی جا رہے ہیں۔"

"جی ہاں میں بھی جا رہا ہوں۔" حمید نے پُر وقار انداز میں کہا۔ "اور ٹیکم گڈھ کی سرزمین مجھ جیسے عظیم آدمی کے وجود سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو رہی ہے۔"

"تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟"

"میرے لئے آپ کیوں....اس سوال کی زحمت گوارا کر رہی ہیں۔"

رینوکا کوئی جواب دیئے بغیر فریدی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ڈائننگ ہال میں بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ شام کے وقت عموماً یہاں بھیڑ زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے دولت مند لوگ زیادہ تر یہیں آیا کرتے تھے۔ بعض رنگین مزاج حکام کی

شامیں بھی یہیں گذرتی تھیں۔ شراب کی بوتلیں کھلنے لگی تھیں۔ ویٹروں کی آمدورفت میں تیزی بڑھتی جارہی تھی۔

"آپ کیا پئیں گی۔" فریدی نے رینوکا سے پوچھا۔

"آپ تو پیتے نہیں۔"

"تو اس سے کیا کہ میں ضرور کچھ پیوں۔ چلئے کافی ہی سہی۔"

فریدی نے ویٹر کو بلا کر شراب اور کافی کا آرڈر دیا۔ حمید کو حیرت ہورہی تھی اس نے آج تک اُسے کسی عورت کو شراب پلاتے نہیں دیکھا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کو شرابی عورتوں کے تصور سے بھی گھن آتی ہے پھر آخر وہ اس وقت ایک شراب پیتی ہوئی عورت کا وجود کیونکر برداشت کر سکے گا۔

شراب آئی اور رینوکا اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے کئی دنوں سے پیاسی ہو۔ فریدی اس سے ایک خاص انداز میں گفتگو کر رہا تھا جس میں لگاوٹ اور ہچکچاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔ حمید کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ وہ اس پر دھیان نہ دے سکا کہ ان میں کیا گفتگو ہورہی ہے اور پھر سامان کا مسئلہ الگ تھا۔ فریدی نے سامان کہاں بھجوایا تھا؟ حمید کی الجھن اتنی بڑھی کہ وہ آخر کار وہاں سے اٹھ گیا۔ اس اٹھ بھاگنے کی ایک وجہ اور تھی؟ اور وہ تھی رینوکا کی بدمستی! باتیں کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح نئے نئے زاویئے اور قوسیں بنارہے تھے کہ وہ صاف منہ چڑھاتی ہوئی معلوم ہورہی تھی۔ بہرحال حمید وہاں سے بھاگ کر بالکونی میں پہنچا۔ لیکن یہاں بھی اس وقت سکون نہیں تھا چونکہ سینچر کی شام تھی اس لئے آج بھیڑ کافی تھی۔ بالکونی میں بھی لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ حمید کو اپنی زندگی تلخ ہوتی معلوم ہونے لگی۔ شراب کے نشے میں بہکی ہوئی عورتوں کا قرب اُسے عورت کے وجود سے متنفر کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ڈائیننگ ہال ہی غنیمت تھا کیونکہ وہاں ایسا طوفان بدتمیزی نہیں تھا۔ ایک نشے میں بہکی ہوئی اینگلو انڈین لڑکی ہکلا ہکلا کر ایک فحش سا فلمی گیت گارہی تھی اور اس کے قریب بیٹھے ہوئے مرد قہقہے لگارہے تھے۔

پھر کوئی دوسری عورت ناک کے بل ہنستی ہوئی گنگنائی۔ "پٹ.... پٹ.... پٹاخہ.... خہ خہ خہ.... خہار۔"

حمید بوکھلا کر پھر نیچے بھاگا۔ یہاں رینو کا کی حالت نشے سے ابتر ہوتی جارہی تھی اور فریدی اُسے بے تحاشہ پلا رہا تھا۔

"ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔" فریدی نے کہا۔ اس پر رینو کا آنکھیں بند کر کے بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسی اور حمید کا دل چاہنے لگا کہ وہ اس کے منہ میں دونوں انگوٹھے ڈال کر اس کے گال کانوں کی لو تک پھاڑ ڈالے۔

"نائیں.... ہاب عورت... عورت نائیں...." رینو کا اپنا نچلا ہونٹ نچلے دانتوں پر جکڑ کر بولی۔

"عورت عورت ہے.... وہ مردوں کی برابری نہیں کر سکتی۔"

"کار سا کتی ہے۔" رینو کا نے اپنی پیشانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر.... میری طرف دیکھو۔" فریدی نے اس سے کہا اور رینو کا اپنی نشے سے بوجھل ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کے چہرے پر نظریں جمانے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں مرد ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور اُس آدمی کی نقلی مونچھیں اکھاڑ سکتا ہوں۔"

حمید کی نظریں بے اختیار اس آدمی کی طرف اٹھ گئیں جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ مرد ایک معمر اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی مونچھیں تھیں جن میں اس نے خضاب لگا رکھا تھا۔ حمید اُسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ مقامی پولیس کا ایک سب انسپکٹر تھا، جو اس وقت سادے لباس میں تھا اور اس کی مونچھیں سو فیصدی نقلی تھیں۔

"نقلی مونچھیں۔" رینو کا آہستہ سے بولی۔

"ہاں نقلی مونچھیں۔ میں اُن مونچھوں کو اکھاڑ سکتا ہوں کیونکہ مرد ہوں۔ تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

"میں بھی مرد ہوں۔" رینو کا اپنے سینے پر ہاتھ مارتی ہوئی تن کر بولی۔

"مگر تم اس کی مونچھیں نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

"میں اکھاڑ سکتی ہوں۔"

"تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

حمید کا سر چکرا گیا۔ آخر فریدی کیا کرنے جارہا ہے۔ اس کا انجام اور اس کا مقصد وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی اُسے آنکھ مار کر پھر رینو کا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"زبان سے کہہ دینا اور چیز ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں اکھاڑ کر دکھادوں گی۔" رینو کالڑ کھڑاتی ہوئی اٹھی اور بڑی مونچھوں والے سب انسپکٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بیچارہ کافی کے گھونٹ لے لے کر سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

"بیٹے حمید۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "بس اب چل دو یہاں سے بل میں ادا کر چکا ہوں۔'

وہ دونوں اٹھ کر تیزی سے باہر نکل آئے اور عمارت کے سرے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ اندر سے شور سنائی دیا۔

"اکھڑ گئی۔" فریدی اپنا قہقہہ دباتا ہوا بولا.... "بھاگو.... جلدی....ادھر نالے میں اتر آؤ۔"

"لیکن آخر یہ کیا حماقت ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اب ایک نئی مصیبت۔"

"کوئی نئی مصیبت نہیں پیارے۔ اب ہم دوسرے ہوٹل مین قیام کریں گے جو وگراج کے درے کے قریب ہے۔"

"لیکن اب ہم لوگ چھپیں گے کیسے! ہوش آنے پر وہ یقیناً یہی بیان دے گی کہ ہم نے اُسے اکسایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں....اب میں بھی اپنی صورت تبدیل کردوں گا تم بھی کچھ اور ہو جاؤ گے۔"

"مگر میک اپ کا سامان تو اسباب کے ساتھ گیا۔"

"تم تو بال کی کھال اتارتے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تھوڑی چیزیں میرے ہینڈ بیگ میں بھی ہیں۔"

"لیکن اس حرکت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔" اب بکو مت، چپ چاپ چلے آؤ۔"

وہ ناہموار راستے طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک جگہ ایک غار میں دونوں نے ٹارچ کی روشنی سے اپنے حلئے تبدیل کئے اور سڑک پر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے کوٹ اتار کر بغل میں دبالئے تھے اور ٹائیاں بھی کھول لی تھیں۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ چٹان سے چھلانگ لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں سے نجات حاصل کر لے۔

ٹھنڈا شعلہ

دوسرا دن فریدی اور حمید کیلئے ایک دلچسپ دن تھا۔ وہ دونوں ہل ویو ہوٹل کی لان پر بیٹھے

صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔ رات کے واقعے کے متعلق ایک چٹ پٹی خبر شائع ہوئی تھی۔ رینو کا سب انسپکٹر کی مونچھ اکھاڑنے کے جرم میں پولیس کی حراست میں تھی اور ان دونوں کپتانوں کی تلاش جاری تھی جنہوں نے اُسے اکسایا تھا۔ فریدی نے ہنس کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا ملا آپ کو۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "خواہ مخواہ بیچاری کو پھنسوا دیا۔ محض ایک بے بنیاد شبہے پر۔"

"بے بنیاد۔" فریدی چونک کر بولا۔ "حمید بیٹے! میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں۔ محض شبہے کی بناء پر اس قسم کے اقدام نہیں کرتا۔ ایک ٹھوس حقیقت سے دو چار ہونے کے بعد میں نے اُسے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"یعنی....!"

"وہ کبوتروں کے ذریعہ کسی نامعلوم جگہ پیغامات بھیجا کرتی تھی۔ پیغامات کیا تھے انہیں اچھی خاصی رپورٹ کہنا چاہئے۔ جو وہ ہم لوگوں کے متعلق تیار کر کے کسی نامعلوم آدمی کے پاس پہنچایا کرتی تھی۔"

"کبوتر....!" حمید چونک پڑا۔ اس کے ذہن میں گذرے ہوئے دن کا واقعہ پھر آیا۔ رینو کا بالکونی میں کبوتر لئے کھڑی تھی اور اس کی آہٹ پر چونک کر اڑا دیا تھا تو کیا وہ ہم لوگوں کی اصلیت سے واقف تھی۔"

"قطعی....!" فریدی نے کہا۔ "یہ چیز مجھ پر کل ہی ظاہر ہوئی ہے۔ کل بالکونی سے اس نے ایک نامہ بر کبوتر اڑایا تھا۔ اتفاق سے اسے ایک باز نے نیچے گرا دیا اور وہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے ذریعہ رینو کا نے جو رپورٹ بھیجی تھی اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی ہم لوگوں کے متعلق کسی کو اطلاع دے چکی ہے وہ میری پرسوں کی نقل و حرکت کی پوری پوری رپورٹ تھی۔"

"کبوتر کے متعلق آپ کو کل ہی معلوم ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں میں نے اس سے قبل بھی اُسے کئی بار کبوتر اڑاتے دیکھا تھا۔ لیکن میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ نامہ بر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہوٹل میں جنگلی کبوتروں کی خاصی اچھی تعداد بسیرا لیتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور کبوتر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ اُسے کسی اور نے اڑایا ہو۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اندھا ہوں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں نے خود اُسے اڑاتے دیکھا تھا اور تم اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں سامنے والی چٹانوں میں موجود تھا۔"

"وہاں کیا کر رہے تھے۔" حمید بے خیالی میں بولا۔

"جھک مار رہا تھا۔ تم اتنے اُلو کیوں ہو گئے ہو؟"

"آپ جھک مار رہے تھے۔ اچھا کرتے تھے۔ جب کسی طرح بس نہ چلے تو جھک مارنا صحت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن میں قطعی اُلو نہیں ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ رینو کا کو اس طرح پکڑوانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس یونہی مذاق کرنے کو دل چاہا تھا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر ضرورت پیش آئی تو یہی مذاق سنجیدگی میں تبدیل ہو کر ہمارے کام آسکے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا کرو گے سمجھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا اس ہوٹل میں تمہیں کوئی لڑکی دکھائی نہیں دی۔"

"دیکھئے جناب۔" حمید چڑ کر بولا۔ "اگر آپ اس طرح مجھے ناکارہ اور نکما بنائے رکھیں گے تو میں چپ چاپ واپس جا کر اپنا استعفےٰ پیش کر دوں گا۔ جہنم میں گئی ایسی ملازمت۔"

"تو اس طرح کیا تم مجھ سے بچ سکو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں خود کشی کر لوں گا۔"

"بسم اللہ!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "چلو پھر پانی منگاؤں یا خالص گھی۔"

حمید نے بھنا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"ہے ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یار تجھے تو عورت ہونا چاہئے تھا۔"

حمید بدستور خاموش رہا وہ اپنے ہونٹ سکوڑے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ پائپ سلگا کر اٹھا اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا عمارت کی طرف چلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں۔ عمارت میں داخل ہو کر اس کمرے کی طرف مڑ گیا جس میں دونوں قیام پذیر تھے۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ چونک پڑا۔ صوفہ کے درمیان رکھی ہوئی ٹی پائی پر سونے کا

ایک بڑا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُسے اٹھانے کے لئے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کسی نے اُسے پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ یہ فریدی تھا۔

"اتنی بدحواسی اچھی نہیں۔" فریدی نے کہا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"تو کیا یہ آپ نے۔"

"نہیں!.... ٹھہرو! اسے ہاتھ مت لگانا۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تم مر ہی گئے ہوتے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مرنے سے پہلے بوڑھے ہو جاتے۔"

"کیا؟" حمید چونک کر بولا۔ "مگر.... یہ تو سونا ہے۔"

"ہاں ہاں! اور کسی نے ہماری موت کو دعوت دینے کے لئے اسے یہاں نہایت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ بیٹے حمید خاں! اب کھلم کھلا جنگ کرنی پڑے گی کیونکہ انہوں نے ہمیں اس بھیس میں بھی پہچان لیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید پھر سونے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! کیوں حماقت کر رہے ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جاؤ برآمدے میں ایک بلی کا بچہ پڑا اونگھ رہا ہے اسے اٹھا لاؤ۔"

"میں نہیں جاتا..... آپ نہ جانے کیا!"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی خود دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "خبردار اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

پھر وہ ایک بلی کے بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا آپ خواہ مخواہ....!"

"چپ رہو؟"

"آپ ایسے حالات میں انتہائی مضحکہ خیز لگتے ہیں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر بلی کے بچے کو سونے کے ٹکڑے پر ڈال دیا۔ اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ وہیں سر رکھ کر اونگھ گیا۔

حمید تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا اب آپ اس بلی کے بچے سے انڈے دلوائیں گے۔"

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قریب آگیا۔

"کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا اور پائپ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کئی منٹ گذر گئے۔ کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ دفعتاً بلی کے بچے نے ایک چیخ ماری اور اچھل کر زمین پر جا پڑا۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ بلی کا بچہ بے حس و حرکت نظر آرہا تھا۔ فریدی اس پر جھک پڑا۔

"یہ ابھی مرا نہیں۔" وہ اپنے دواؤں کے بکس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے تیزی سے ایمونیا کی بوتل نکالی اور حمید کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اُسے اس کی ناک سے لگائے رکھو۔"

وہ پھر دواؤں کے بکس میں کچھ تلاش کرنے لگا تھا۔ حمید نے بوتل کھول کر بلی کے بچے کی ناک سے لگادی۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے سینے پر جلنے کا داغ تھا۔ سینے کا جتنا حصہ سونے کے ٹکڑے پر تھا بُری طرح جھلس گیا تھا۔

"ہوں....!" فریدی جھکتا ہوا بولا۔ "ذرا اس کا اگلا پیر تو اٹھاؤ۔"

اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سوئی تھی۔ حمید کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا۔ فریدی نے بلی کے پیر میں سوئی چبھو دی۔

"اب بوتل ہٹاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

فریدی بلی کے بچے کے قریب ہی بیٹھا رہا۔ حمید نے بوتل بند کر کے بکس میں رکھ دی۔

"اب اس سونے کو اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ اب تمہیں مرنے کی اجازت ہے۔"

حمید جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ فریدی کے قریب آبیٹھا۔ بلی کے بچے کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"اب یہ نہیں مر سکتا اور وہ دونوں مرنے والے بھی آدھے گھنٹے کے اندر اندر بچائے جا سکتے تھے۔"

"مگر.... آپ تو ریڈیم کہہ رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اتنا ریڈیم وہ کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر لیا ہے۔ یہ ٹکڑا

بھی ریڈیم سے متاثر شدہ ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی انہیں ریڈیم کو دھات کی شکل میں لانا پڑا ہوگا اور یہ ایک مشکل عمل ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے سونے کو کس طرح ریڈیم سے متاثر کیا۔ میں سچ کہتا ہوں حمید کوئی بہت بڑا دماغ اس سازش کے پیچھے کام کر رہا ہے۔"

"لیکن یہ میز" حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ "یہ میز کیوں نہیں جلی۔"

"شاید اس عمل میں حرارت پذیری کا بھی دخل ہے۔"

"لیکن لانے والا اسے لایا کس طرح ہوگا۔"

"ممکن ہے لکڑی کی ڈبیہ استعمال کی ہو۔ ویسے سیسہ ہی ایک ایسی دھات ہے جس پر ریڈیم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"شیشہ.....!"

"شیشہ نہیں سیسہ.....!" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو ریڈیم کتنی طاقتور چیز ہے۔ اس کے متعلق اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف دو پونڈ ریڈیم زمین کو اس کے محور سے ہٹانے کے لئے کافی ہوگا۔"

بلی کا بچہ اٹھ کر رینگنے لگا تھا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا دروازے کی اوٹ میں چلا گیا۔

"آپ نے انجکشن کس چیز کا دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اسٹرانچنن سلوشن.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کم بختوں نے مار ڈالنے کا بڑا اچھا طریقہ ایجاد کیا ہے! سونا دیکھ کر کون نہ للچائے گا۔ ایک ٹکڑا راہ میں کہیں ڈال دیا اور اٹھانے والے کا قصہ تمام۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہم قطعی محفوظ نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔

"تو پھر وہ پولیس کو ہمارے متعلق اطلاع بھی دے سکتے ہیں کہ ہم اس بھیس میں یہاں موجود ہیں۔"

"شائد ہی وہ ایسا کریں!" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ دراصل اب چپ چاپ ہمارا خاتمہ کر دینے کی گھات میں ہیں۔"

"چپ چاپ کیوں! جب وہ ہمیں پہچانتے ہیں تو کبھی بھی اور کسی حالت میں ہمارا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ آپ کو شروع ہی سے بھیس بدل کر رہنا چاہئے تھا۔"

"بس حماقت ہوگئی۔ مجھے دراصل ان کی قوت اور تنظیم کا اندازہ نہیں تھا۔" فریدی سگار

سلگاتا ہوا بولا۔ اس نے سونے کے ٹکڑے کو ایک لکڑی کے ڈبے میں رکھ کر دواؤں کے بکس میں ڈال دیا۔ بلی کا بچہ پھر دروازے کی اوٹ سے رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ذرا دیکھئے۔" حمید بے اختیار بولا۔

اس کے سفید بالوں میں ہلکی سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلانے لگا۔ حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُسے اپنے کچھ دیر قبل کے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ وہ خواہ مخواہ فریدی کا مضحکہ اڑاتا رہا تھا۔ در حقیقت فریدی کی اتھاہ پانا بہت مشکل کام ہے۔

حمید اٹھ کر اندر گیا۔ فریدی سیلاپچی پر جھکا ہوا منہ دھو رہا تھا۔

"بھئی یہ معاملہ اپنے بس کا نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ کسی طرح کام بنتا ہی نہیں۔ کیا بس ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔ اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا خودکشی سے کسی طرح کم نہیں۔ میں اپنی ناکامیوں کی رپورٹ مکمل کر کے نصرت صاحب کو دے دوں گا اور بس.... آج رات کی ٹرین سے ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے معلوم نہیں مجرموں نے اپنا جال کہاں کہاں پھیلا رکھا ہے۔" فریدی سنجیدگی کے ساتھ یہ ساری باتیں کہہ رہا تھا۔ "چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" فریدی پھر بولا۔ "ہمیں میجر نصرت کے یہاں چلنا ہے۔ جہنم میں گیا یہ کیس۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ لوٹ کر اپنے بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔

"پیدل ہی ٹھیک رہے گا۔" فریدی نے کہا۔ "تم آخر اس قدر خاموش کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"ساری شرارتیں ہوا ہو گئیں۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ اس وقت میرے پیچھے پیچھے چلے نہ آئے ہوتے تو میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہونے والی بات۔ میں بلا مقصد بغیر ارادہ تمہارے پیچھے چلا آیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں ابھی زندہ رہوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ابھی آخری معرکہ باقی ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔ "آج رات کو تو ہم واپس جا رہے ہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

''کبھی پہلے بھی فریدی پیچھے ہٹا تھا۔'' اس نے کہا۔

''تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں۔'' فریدی رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ''ہمارے غسل خانے میں ایک ڈکٹوگراف رکھا ہوا ہے۔''

''ڈکٹوگراف۔'' حمید اچھل کر بولا۔

''ہاں اور اس کا ریسیونگ سٹ کسی اور کمرے میں ہے ہماری ساری گفتگو کسی نے سن لی ہے۔ اس واقعے سے پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ تو منہ دھوتے وقت اس پر نظر پڑ گئی۔ بظاہر وہ فنائل کا ڈبہ معلوم ہو رہا تھا۔ اتفاق سے میرا پیر اس سے جا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹین کا نہیں ہے۔ پھر دیکھنے پر ساری حقیقت واضح ہو گئی.... ہاں تو اس کے ذریعے سے کسی نے ہماری ساری گفتگو سن لی ہے۔''

''تب تو کم از کم اسے پکڑ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ذرا سی تلاش کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس کمرے سے ہے۔''

''وہ ٹھیک ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ہم جلدی ہی ختم کر دیئے جائیں۔ یہ بات میں سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ معلوم نہیں دشمن کہاں اور کس روپ میں موجود ہو۔ بعض اوقات تو مجھے میجر نصرت پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔''

''ارے وہ کیا....!''

''میں یہ نہیں کہتا۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہو۔''

''خیر چھوڑیئے! اب آپ کیا کریں گے۔'' حمید نے کہا۔

''میجر نصرت کے یہاں سے واپسی کے بعد اپنا سامان ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیں گے۔''

''ریلوے اسٹیشن پر۔''

''ہاں اور اس کے بعد ہماری موجودہ شکل و صورت کے دو آدمی نو بجے رات والی ٹرین سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''پھر....!''

''پھر ہم ہوں گے اور رینو کا۔''

حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فتنہ جاگتا ہے

"اس طرح بوکھلا کر مت دیکھو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔"اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں رینوکا سے عشق شروع کر دیں گے۔"

"خیر آپ کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج کل میں نفسیاتی تجربوں کے خبط میں مبتلا ہو گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔"اس سلسلے میں رینوکا کو سبجیکٹ بنانے کا ارادہ ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ آج رات کو دیکھ لینا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

وہ دونوں ڈھلوان راستے پر چل رہے تھے۔ ان کے دونوں طرف اونچی نیچی اور کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی چٹانیں تھیں اور راستہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کی دوری پر تھا۔

دفعتاً انہیں اپنے پیچھے ایک زور دار گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں چونک کر مڑے۔ ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی ان کی طرف چلی آرہی تھی۔ اُس کا حجم اتنا زیادہ تھا کہ اس نے قریب قریب راستے کی پوری چوڑائی کو ڈھک لیا تھا۔

"بھاگو...!" فریدی بے اختیار چیخا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی آواز رک گئی۔ چٹان راستے کے ایک خفیف سے موڑ پر پھنس کر رک گئی تھی۔

"چلتے جاؤ! خطرہ ہے۔" فریدی بدستور دوڑتا ہوا بولا۔"ریوالور ہے۔"

"نہیں....!" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"میں بھی نہیں لایا.... شاید ہماری عقلیں چرنے گئی تھیں۔"

پھر وہ اُس تنگ راستے سے نکل کر ایک کشادہ چٹان پر آگئے۔ شہر نزدیک تھا۔ اس لئے وہ دم لینے کے لئے ایک جگہ رک گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ محض اتفاق رہا ہو۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ لوگ کھل کر سامنے نہیں آرہے ہیں۔"

"جناب والا وہ جائیں جہنم میں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اگر اس وقت وہ چٹان راستے میں نہ رک گئی ہوتی تو ہمارے سیخ کے کباب کیسے ہوتے؟ بس اب سچ مچ چھوڑیئے یہ چکر اور چپ چاپ دم دبا کر نکل چلئے۔"

"یہ میری توہین ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"تو کم از کم میں تو اپنی لاش پر تمغہ نہیں لگوانا چاہتا۔"

"تم واپس جا سکتے ہو۔"

"باس.... اس جملے کے علاوہ اور آپ کو کچھ نہیں آتا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر شہر کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں میجر نصرت کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ میجر نصرت اندر کسی کام میں مشغول تھا۔

فریدی اور حمید نے اپنے اصلی نام اُسے نہیں بھجوائے تھے۔ بہر حال جب وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کا رویہ قطعی غیر متعلقانہ تھا۔ کیونکہ میجر نصرت انہیں اس بھیس میں پہچانا نہیں تھا اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں کون ہیں تو وہ حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"واقعی آپ اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"رینو کا کیا رہا۔" فریدی اس کی بات اڑا کر بولا۔ "کسی نے اس کی ضمانت تو نہیں دی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ....!"

"کیا مطلب....!" فریدی نے بے صبری سے اس کی بات کاٹی۔

"پولیس والوں نے اُسے چھوڑ دیا۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔" فریدی بھنا کر بولا۔ "میں نے کل رات ہی آپ کو مطلع کر دیا تھا۔"

"کیا اُس کا روک لیا جانا ضروری تھا۔"

"اب یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔"

"اگر کوئی ایسی ہی بات تھی تو آپ کو صاف اطلاع دینی چاہئے تھی۔" میجر نصرت نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھتا تھا کہ آپ میرے ٹیکم گڈھ آنے کی غرض و غایت سے بخوبی واقف ہوں گے۔ بھلا کسی اور معاملے سے مجھے کیا سروکار۔"

"تو کیا اس کا تعلق اس سے تھا۔"

"جناب۔"

"بھئی میں کیا بتاؤں میں نے ڈی۔ایس۔پی سٹی کو یونہی رسمی طور پر اُسے روکے رکھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لہٰذا اس بیہودے نے رات بھر اسے اپنے بنگلے میں رکھا اور صبح اس سے ایک معافی نامہ لکھوا کر چھوڑ دیا۔"

"سب چوپٹ ہو گیا۔"

"پولیس آپ لوگوں کی تلاش میں تھی لیکن اس سلسلے کو میں نے ختم کرادیا ہے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ شاید وہ پورا گروہ ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"ارے۔"

"جی ہاں.... شروعات ہی غلط ہوئی ہے۔ پورے حالات مجھے ہیڈ کوارٹر ہی میں معلوم ہو جانے چاہئے تھے۔ معلوم نہیں اس طرح ہمیں بھجوانے میں کیا مصلحت تھی۔ میں اچھی طرح معاملات کو سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرتا ہوں۔ اس وقت تو یہ عالم ہے کہ ہمارے چاروں طرف بے شمار جال ہیں اور ہم احمقوں کی طرح درمیان میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔"

میجر نصرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش انہیں دیکھ رہا تھا

فریدی بغیر کچھ کہے سنے کھڑا ہو گیا۔

"تو اب کیا ارادہ ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"کچھ نہیں! کچھ نہیں۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

"دیکھا تم نے اس ڈیوٹ کو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "اسی عقل کے بل بوتے پر سپرنٹنڈنٹ بنے بیٹھے ہیں۔ ان کے تو فرشتے بھی اس معاملے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"میرا تو دل چاہا تھا کہ اس کی مونچھیں اکھاڑ دوں۔" حمید نے کہا۔

"بیوقوف آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو اس ڈی۔ایس۔پی کے بچے پر تاؤ آرہا ہے جس نے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کی ہدایت کے باوجود اُسے چھوڑ دیا۔ انہیں بدبختوں کی عیاشیوں نے محکمے کو بدنام کر رکھا ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ رینو کا سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

”چھوڑو بھی۔ مارو گولی۔ جہنم میں جائے۔ جو بات نہیں ہو سکی اس کے متعلق کچھ کہنا ہی فضول ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا۔

”نیلی روشنی سرحد پار کی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے اچھی طرح اندازہ لگالیا ہے کہ اس سمگلنگ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ اسی دن دکھائی دی تھی نا جس دن تم ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ یعنی جس دن میں نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ لیا تھا۔“

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”منیجر نے کہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سرحد پار والوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا تھا اور ٹیکم گڈھ کی متعدد عمارتوں میں آگ لگ گئی تھی۔ میرے خیال میں مجرموں کا وہ مصنوعی تجربہ اس نیلی روشنی کا پیش خیمہ تھا۔“

”مصنوعی تجربے سے اس کی کیا مراد ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہونہہ! تو کیا تم اسے سچ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تباہ کن حربہ تھا۔“

”آگ جو لگی تھی۔“ حمید نے کہا۔

”کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتے ہو! شہر میں پہلے ہی سے اپنے گرگے چھوڑ دو۔ اس کے بعد دور کی کسی پہاڑی پر چڑھ کر بچوں کی طرح آتش بازیاں چھوڑنا شروع کر دو اور پہلے سے بنائی ہوئی سکیم کے تحت تمہارے گرگے شہر کی عمارتوں میں آگ لگاتے پھریں۔“

”یہ آپ کا قیاس ہی ہے نا۔“

”ہے تو قیاس ہی۔ لیکن سچ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرف والوں سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ امن چاہتے ہیں۔ دنیا میں تباہی پھیلانے والے جنگ بازوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ پھر وہ بھلا ہمیں کیوں تنگ کرنے لگے جب کہ ہم بھی امن چاہتے ہیں اور ہماری پالیسی غیر جانبدارانہ ہے.... حمید یہ ایک بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ ایک طرف ہمیں ہمسایہ حکومت سے بدظن کیا جارہا ہے اور دوسری طرف.... ہماری کوئی بہت ہی قیمتی چیز ہم سے چھینی جارہی ہے۔ سونے کے ٹکڑوں کو ریڈیم سے متاثر کر دینا کم از کم اپنی طرف کے سائنسدانوں کے بس کا روگ نہیں۔“

”خدا خیر کرے۔ آپ نے لگائی کوئی بین الاقوامی جست۔“

”دیکھو نا! محض سونے کی ناجائز برآمد کے سلسلے میں اتنی اودھم سمجھ میں نہیں آتی۔“ فریدی

ایک جگہ رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”ان لوگوں کا طریقہ کار تو اب اچھی طرح میری سمجھ میں آگیا ہے۔ وگراج کے درے کے قریب دو سفید لاشوں کا پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محافظ دستے کے کچھ لوگ بھی مجرموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ہی کہوں گا سب کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اگر آپ مجرموں سے ملے ہوتے تو نیلی روشنی دیکھ کر بھاگنے کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی۔ ان کا انچارج کیپٹن رگھوبیر سنگھ ہے وہ تو سو فیصد مجرموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر ہرگز نہ بھاگتے۔“

”خیر یہ بات تو اپنی سمجھ میں آتی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن سونے کے علاوہ اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔“

”یہ فی الحال میں خود نہیں جانتا لیکن محض سونے کی غیر قانونی برآمد کے لئے اتنی اچھل کود لایعنی ہے۔ اس قسم کی چیزوں کی اسمگلنگ معمولی چور اُچکے بھی کر لیتے ہیں۔“

وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اچانک فریدی رک کر بولا۔

”حمید تم ہوٹل واپس جاؤ اور سامان کسی اور ہوٹل میں منتقل کر دو۔ میں میجر نصرت کے یہاں جا رہا ہوں۔“

”کیوں....!“

”یہ ابھی نہ پوچھو۔ وقت بہت کم ہے۔ جاؤ ڈرو نہیں۔ ہمیں صرف ایک ہی بار مرنا ہے.... آج یا کل.... یا کسی اور دن۔“

”اوہ! تو کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں؟“ حمید تن کر بولا۔

”ہرگز نہیں۔ اچھا تو جاؤ۔ میں تمہیں پانچ بجے ستیل گھاٹ کے پہلے موڑ پر ملوں گا۔ اس بار ریوالور مت بھولنا۔“

حمید نے فریدی کے چہرے پر بے چینی اور دبے ہوئے جوش کے آثار محسوس کئے اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشیانہ چمک تھی جو اس نے بارہا خطرناک موقعوں پر دیکھی تھی۔ فریدی واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید بُری طرح چکرایا ہوا تھا۔ فریدی نے اس سے قبل کبھی اتنی سنجیدگی سے موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حمید ہوٹل واپس آگیا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی سے ایک ہفتہ کے اخراجات کی رقم ادا کر چکا تھا۔ لیکن بہرحال وہ ہوٹل تو چھوڑنا ہی تھا۔ سب سے پہلے حمید نے فریدی کی دواؤں کا بکس کھولا کیونکہ اسے سونے کے اس ٹکڑے کی فکر زیادہ تھی۔ اس کا اندیشہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ سونے

کا ٹکڑا غائب تھا۔ پھر وہ بقیہ چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ اب کس ہوٹل میں جائے۔ پھر دفعتاً اسے اس ڈکٹوگراف کا خیال آیا۔ جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔ اُس نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن کہیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جس پر ڈکٹوگراف کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ کموڈ کے نیچے فرش پر دو ننھے ننھے سوراخ دکھائی دیئے۔ فرش لکڑی ہی کا تھا وہ تھوڑی دیر تک ان سوراخوں پر نظریں جمائے رہا۔ پھر ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ ڈکٹوگراف کے برقی تار غالباً انہی سوراخوں کے ذریعے کسی دوسری جگہ لے جائے گئے تھے۔ اگر فریدی نے اس واقعہ کو ذرہ برابر بھی اہمیت دی ہوتی تو اس وقت حمید اس بات کا پتہ لگائے بغیر نہ مانتا کہ ڈکٹوگراف کا دوسرا سلسلہ کس جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

اس نے غسل خانے سے نکل کر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ویٹر کو اُس نے پہلے ہی اپنی روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔ پھر اس نے سامان ایک ٹیکسی پر لاد کر شہر کی راہ لی۔ شہر میں کئی ایسے ہوٹل تھے جن میں وہ اطمینان سے قیام کر سکتے تھے۔ ان میں کچھ اعلیٰ درجے کے بھی تھے۔ لیکن حمید نے ایک ایسے ہوٹل کو ترجیح دی جس میں متوسط طبقے کے لوگ قیام کرتے تھے۔

پانچ بجے اسے سٹیل گھاٹی پہنچنا تھا۔ اس لئے اس نے سامان کو پورے سلیقے سے رکھنے کی زحمت گوارا نہ کی اس وقت چار بج رہے تھے۔ اس نے جیب میں ریوالور ڈالا اور سٹیل گھاٹی کی طرف چل پڑا۔

ڈکٹوگراف غائب ہو جانے کے بعد سے اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب ان کی کڑی نگرانی نہیں ہو رہی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو موقعہ پر سوجھی بھی خوب! مجرم یقیناً اس فقرے میں آگئے جبھی تو انہوں نے ڈکٹوگراف بھی ہٹالیا۔

وہ چلتا رہا اور پھر سٹیل گھاٹی والی سڑک کے پہلے موڑ پر رک گیا۔ گھڑی کی طرف دیکھا۔ ٹھیک پانچ بجے تھے مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً اسے اپنی پشت پر نشیب میں کسی عورت کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کیوں وہ قہقہہ اسے ایک عجیب قسم کی چیخ معلوم ہوا۔

حمید نے مڑ کر ذرا سا سر ابھارا اور دوسرے ہی لمحہ میں اس کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف نشیب میں فریدی ایک درخت کے تنے سے بندھا کھڑا تھا اور ایک عورت اپنے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا لئے اپنے قریب کھڑے تین آدمیوں سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی

تھی۔ دفعتاً وہ فریدی کی طرف مڑی اور حمید یک بیک چونک پڑا۔

وہ رینو کا تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو دیکھتی رہی پھر شڑاپ سے کوڑا رسید کر دیا۔ فریدی کے جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ دوسرا کوڑا پڑا۔ فریدی کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی تو اُس نے ہونٹ بھینچے اور نہ اُس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ اس کا چہرہ کوڑے کی ضربوں کی تکلیف کے تاثر سے یکسر عاری نظر آ رہا تھا۔ کوڑا تیسری بار کوندا اور رینو کا نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

''میں کوڑے مار مار کر آج تمہیں ختم کر دوں گی۔'' وہ پر مسرت لہجے میں چیخی۔

فریدی پھر بھی کچھ نہ بولا۔

چوتھا کوڑا پڑا اور حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے ریوالور کا دستہ اس مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں تھیں۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ سے نیچے رینگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس سے فریدی بندھا ہوا تھا۔ وہ ٹھیک اس کے پیچھے جا کر رک گیا۔ رینو کا برابر کوڑے برسائے جا رہی تھی۔

''تم خواہ مخواہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف دے رہی ہو میری جان۔'' رینو کا کا ساتھی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''ہٹ جاؤ...... میں اس پر نشانے کی مشق کروں گا۔''

''نہیں....!'' رینو کا گرج کر بولی۔ ''میں نے قسم کھائی تھی کہ اسے بڑی اذیت دے کر ماروں گی۔''

''اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو گی کہ تم اتنے دنوں تک مجھ سے جدا رہیں۔ میں یوں ہی مر رہا تھا۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تم پر کس بُری طرح عاشق ہوا ہوں۔'' یہ فریدی کی آواز تھی۔

''خاموش رہو مکار۔'' رینو کا پھر چیخی۔ ''میں ہر حال میں اس بے عزتی کا بدلہ لے کر رہوں گی۔''

''تمہاری مرضی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''مگر اُس آدمی سے کہہ دو کہ تمہیں اتنے پیار سے نہ دیکھے ورنہ میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔''

''شٹ اپ۔'' رینو کا نے کہا اور ساتھ ہی ایک کوڑا اور پڑا۔

حمید کا سر چکرا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا سچ مچ فریدی کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے کہ اس حالت میں بھی وہ ذرہ برابر خوف کا اظہار نہیں ہونے دے رہا ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ کیوں نہ یک بیک ان لوگوں پر فائرنگ شروع کر دے مگر پھر سوچا کہ کہیں ان میں سے کوئی فریدی کو سچ مچ گولی نہ مار دے۔ اس نے جھاڑیوں سے جھانک کر دیکھا

فریدی کے دونوں ہاتھ درخت کے تنے کے گرد لے جاکر کلائیوں کے پاس سے باندھ دیئے گئے تھے۔ حمید نے جھاڑیوں سے ہاتھ نکال کر فریدی کے ہاتھوں کو چھوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک جھٹکے دار جنبش ہوئی اور حمید رسیوں کے بل کھولنے لگا۔

محاصرہ

پھر پوری رسی کھول ڈالنے سے پہلے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ فریدی کو ایک ریوالور پکڑا دے۔ فریدی کے ہاتھ آزاد ہوگئے۔ لیکن اس نے انہیں پہلی ہی جیسی حالت میں رہنے دیا۔ کوڑے اس پر برابر برس رہے تھے۔

"رینو.... ڈارلنگ ایک بات سنو۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

رینو کا نے ہاتھ روک لیا۔

"تمہیں وہ ریستوران والی بات یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس مردہ عورت کو اس وقت اپنے قریب دیکھ رہا ہوں۔"

"مت بکو۔" رینو کا نے چیخ کر کہا۔ "تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"اچھا اگر یقین نہیں آتا تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے ہاتھ حمید کی نظروں سے غائب ہوگئے۔

"اور تم تینوں بھی۔" فریدی نے کڑک کر کہا۔ "خبر دار اگر ذرا بھی جنبش کی تو بھیجے ہوا میں اڑتے پھریں گے۔"

رینو کا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

حمید نے جست لگائی اور جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا فریدی کے برابر پہنچ گیا۔

رینو کا کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "رینو کا تم بھی چلو۔" وہ سب ایک ہی قطار میں کھڑے ہوگئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید نے ان سب کی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ تینوں کے پاس ریوالور نکلے پھر وہ رینو کا کے

قریب پہنچ کر رک گیا۔

"جان من اگر کوئی خطرناک چیز تمہارے پاس ہو تو تم خود ہی نکال کر دے دو۔ میں تمہارے مقدس جسم کو اپنے ناپاک ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔" حمید نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"حمید جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" ریتو کا آہستہ سے بولی۔

"یقین نہیں آتا۔" حمید نے کہا اور پستول کے دستے سے اس کا سارا جسم تھپتھپا کر رکھ دیا۔

"کچھ نہیں ہے۔" اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

"اچھا اب داہنی طرف گھوم جاؤ اور چل پڑو۔ اگر کسی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو خیر نہیں۔" فریدی نے مجرموں سے کہا۔

چاروں ایک قطار میں چل پڑے۔

"ٹھیک.... ہاں.... اب اس دراڑ میں اتر چلو۔" فریدی بولا۔

وہ سب دراڑ میں اتر گئے۔

یہ ایک تنگ و تاریک راستہ تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر انہیں دکھانے لگا۔ راستے کی چوڑائی دو ڈھائی فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان آ گئے۔ آدھے گھنٹے تک وہ ناہموار کھڈ دار راستے پر چلتے رہے۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور بیچ میں زمین ہموار تھی۔ حمید جو راستے بھر قطعی خاموش رہا تھا۔ یہاں کسی طرح اپنی زبان نہ روک سکا۔

"لیکن آپ اس کے ہتھے کس طرح چڑھ گئے۔"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ انہوں نے نہ جانے کدھر سے آلیا۔ بس سمجھ لو کہ غفلت میں مارا گیا۔ لیکن تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں تم آتے ہی فائرنگ نہ شروع کر دو۔"

"میں ہر وقت بدحواسی کے موڈ میں نہیں رہتا۔" حمید نے کہا۔ "مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"بس اب کہیں نہیں جانا ہے۔" فریدی نے کہا اور قیدیوں کو رکنے کا حکم دے کر ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔

اِدھر اُدھر کی چٹانوں سے فوجی سپاہی کود کود کر آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے تیس چالیس مسلح

فوجیوں نے انہیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ ان میں ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ بھی تھا۔ "قیدی" فریدی نے لیفٹیننٹ سے کہا۔

چاروں کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔

"رینو ڈارلنگ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے مخمل کی ہتھکڑیوں کا انتظام نہ کر سکا۔" فریدی نے کہا۔

رینو کا نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر جھکا لیا۔ کئی فوجی اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے یہ چیز محسوس کرلی اور لیفٹیننٹ سے بولا۔

"آفیسر! یہ قیدی بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نکل گیا تو پھر ہم زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"یہ" لیفٹیننٹ مسکرا کر بولا۔ "ان کے فرشتے بھی نہیں نکل سکتے۔"

"تیل کے چشموں کی طرف کون جائے گا۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"خود کیپٹن شہاب۔"

"ٹھیک ہے۔"

تیل کے چشموں کا نام سن کر وہ چاروں بُری طرح چونکے۔ خصوصاً رینو کا تو سفید پڑ گئی۔

"رینو ڈارلنگ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیل کے چشموں کا ڈھونگ کس لئے رچایا گیا ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ آج وہ نیلی سرچ لائٹ بھی ہمارے قبضے میں آجائے گی اور وہ خونی شعائیں نیلی روشنی کی گود سے نکل کر ٹیکم گڈھ کی فضاؤں میں پرواز کرتی ہیں اور سناؤ تمہارے کبوتروں کا کیا حال ہے اور ہاں یہ بھی سنو کہ اب کوئی جوان آدمی ریڈیم سے متاثر شدہ سونے کا شکار ہو کر سفید موت نہیں مرے گا۔"

رینو کا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھی تو بُری طرح گھبرائے ہوئے تھے۔

"میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کہ وگران کے درے سے حقیقتاً کیا چیز اسمگل آؤٹ ہوتی ہے اس لئے کہ شائد اس راز سے تم بھی واقف نہ ہو گی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

پھر وہ تھوڑی دیر بعد لیفٹیننٹ کی طرف مڑا۔ "اچھا آفیسر اب تم انہیں سنبھالو اور بقیہ پروگرام تو تمہیں معلوم ہی ہے اور ہاں کیپٹن شہاب کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔"

"ڈیڑھ سو۔"

"بہت ہیں۔" فریدی پُر اطمینان لہجے میں بولا۔ "اچھا تو اب میں اپنا کام دیکھتا ہوں۔" وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

"لِلہ کچھ بولتے چلئے۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ میرا بھیجا کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں معلق ہو جائے گا۔"

"صبر.... صبر فرزند۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "سب معلوم ہو جائے گا۔ ذرا آہستہ بولو۔ اس طرف آجاؤ.... اس دراڑ میں۔"

"یہ اتنے فوجی کہاں سے پکڑ لئے۔"

"بتاتا ہوں.... میرے خیال سے ابھی یہیں ٹھہرو اور اندھیرا پھیل جانے دو۔" فریدی نے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"نہ جانے کب سے میں نے سگار نہیں پیا۔" فریدی نے ایک سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ حمید خاموشی سے ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے جانے کے بعد۔" اس نے ایک طویل کش لے کر منہ سے آہستہ آہستہ دھواں نکالتے ہوئے کہا۔ "میں نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور میں میجر نصرت کے یہاں جانے کے بجائے سیدھا کمشنر کے یہاں گیا اور پھر اس شریف آدمی نے میری اسکیم کے مطابق یہ سارا انتظام کر دیا۔ وہ خود بھی یہاں کی پولیس سے کافی برگشتہ ہے اور اُسے یہاں کی محافظ فوج پر بھی اعتماد نہیں ہے لہٰذا اس نے نکری کیمپ سے مدارس رجمنٹ کا ایک دستہ بلایا ہے اور وہی میری مدد کر رہا ہے۔"

"لیکن یہ تیل کے چشموں کا کیا قصہ ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے دس میل دوری پر چند غیر ملکی ماہروں نے پٹرول کے ذخائر کا پتہ لگایا ہے اور وہاں کھدائی کا کام ہو رہا ہے۔ ایک غیر ملکی کمپنی نے ٹھیکہ لیا ہے۔ لیکن سنو آج سات ماہ سے کھدائی جاری ہے۔ لیکن وہ ایک قطرہ پٹرولیم حاصل نہیں کر سکے۔"

"تو پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ یہاں سونا کھود رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں.... یہاں سونا کہاں سے آیا۔"

"پھر....!"

"سونے سے بھی کوئی زیادہ اہم چیز۔"

"یعنی....!"

"چھوڑو یار.... ابھی سے مجھے لال بجھکڑ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں بھی تمہاری ہی طرح آدمی ہوں۔"

"تو وہاں بھی کوئی فوجی دستہ گیا ہے۔"

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"نیلی سرچ لائٹ اور اُسے استعمال کرنے والوں کو قابو میں کرنے کے لئے۔"

"نیلی سرچ لائٹ۔"

"ہاں پیارے! نیلی سرچ لائٹ! اور وہ آتشبازیاں۔"

"کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔" حمید نے کہا۔

"بھلا شرمندگی کس بات کی۔" اگر وہاں کوئی سرچ لائٹ استعمال کی گئی تو وہ انہیں پکڑ لیں گے۔ ورنہ واپس آجائیں گے۔"

"فرض کیجئے انہیں آپ کی اسکیم کی اطلاع ہو گئی اور وہ آج چپ چاپ ہی بیٹھ رہے۔"

"اس کا امکان بہت کم ہے کہ مجرموں کو اس کا علم ہو سکے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے کامیابی کا یقین نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ سہی پھر دیکھا جائے گا۔ بہر حال اب یا تو یہ راز ظاہر ہو گا یا یہاں کی پیاسی چٹانیں میرے خون سے رنگین نظر آئیں گی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔

"یہاں کا محکمہ سراغ رسانی یا تو بالکل ناکارہ ہے یا سب کے سب مجرموں سے ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے پورے حالات تک سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اگر میں آج کمشنر سے نہ ملتا تو اتنی باتیں کبھی نہ معلوم ہوتیں۔ جانتے ہو سب سے پہلے ہمسایہ ملک کے مفروضہ تباہ کن حربے کی طرف کس نے حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ یہ وہی اُس غیر ملکی کمپنی کے کارکن تھے۔ انہوں نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ ہمسایہ ملک اپنے کسی تباہ کن حربے سے پٹرولیم کے ذخائر برباد کر دینا چاہتا ہے۔"

"پھر....!" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"پھر کیا! جب پہلے حادثے کے چھ ماہ بعد نیلی روشنی کا ظہور ہوا تو پھر انہی کارکنوں نے ہانک لگائی۔ اگر کچھ دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہا تو ہمسایہ ملک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔"

"ظاہر ہے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔

"ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں۔"

"وگراج کا درہ....!" فریدی نے کہا۔

"مگر ہمیں تو اس دستے کے ساتھ ہونا چاہئے تھا جو تیل کے چشموں کی طرف گیا ہے۔"

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیا وہ زیادہ اہم نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وہ چیز ہے جو وگراج کے درے سے لی جاتی ہے۔"

"وہاں کے محافظ دستے کا کیا ہوگا؟" حمید نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ وہ نیلی روشنی دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگے گا۔"

"اور وہ پولیس چوکی۔"

"وہاں کے لوگ بھی ان کی تقلید کرتے ہیں بھلا کون ایسا ہے جو اس سفید حادثے سے نہ ڈرے گا۔"

"پھر....!"

"پھر ہم دیکھیں گے کہ سونا کس طرح لے جایا جاتا ہے۔"

"صرف ہم ہوں گے۔"

"نہیں کچھ فوجی بھی، جو تین بجے سے وگراج کے درے کے قریب شکار کھیل رہے ہیں، اندھیرا ہونے سے قبل ہی انہوں نے واپسی کا بہانہ کر کے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کرلی ہوگی۔"

"مگر....!"

"ہاں میں جانتا ہوں جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے ایک طویل کش لے کر سگار بجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ جو تم نے فوجی دیکھے تھے وہ وگراج کے درے کے محافظ دستے کو سنبھال لیں گے۔"

"وہ بھی اسی درے کے قریب جنگلوں میں منتشر ہوگئے ہوں گے۔"

"یہ تو آپ....!" حمید اس طرح بولا جیسے اُسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

"ہتھیلی پر سرسوں جمانے والا محاورہ اسی وقت میری سمجھ میں آیا ہے۔"

چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ دونوں وگراج کے درے کی طرف بڑھنے لگے۔ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان آتے فریدی زمین پر لیٹ کر سینے کے بل رینگنے لگتا اور حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ فریدی کے جسم پر بھی ایسے کپڑے نہیں تھے جو سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوتے۔ بہر حال وہ بڑھتے رہے ایک جگہ فریدی رک گیا۔

"ہمیں یہیں ٹھہرنا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ فوجی بھی کہیں قریب ہی موجود ہوں گے۔"

لومڑیوں نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ کئی تو دوڑتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئیں۔ آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ سناٹے میں ہوا کی سائیں سائیں ایسی لگ رہی تھی جیسے صدہا سال نیند میں ڈوبی ہوئی چٹانیں خواب آلودا اور گہری سانسیں لے رہی ہوں۔ کبھی کبھی جھاڑیوں میں پہاڑی چوہوں کی سرسراہٹ گونج اٹھتی۔ فریدی کی گھڑی کی چمکدار سوئیوں نے دس بجائے اور افق میں نیلی روشنی ابھرنے لگی اور پھر انہیں وگراج درے کے محافظ دستے کے کیمپ میں ہلچل سنائی دی۔ وزنی جوتوں کی بہت سی آوازیں چٹانوں میں گونجنے لگیں، جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جارہی تھیں۔ نیلی روشنی کی شعاعیں بڑھنے لگیں اور آس پاس بالکل سناٹا چھا گیا۔ البتہ بھاگنے والوں کے قدموں کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھیں۔

"اٹھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ دونوں درے کی طرف رینگنے لگے۔ ابھی وہ سڑک بھی نہیں پار کر سکے تھے کہ انہیں دور ایک بڑی سی متحرک چیز دکھائی دی جو تیزی سے درے کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ دونوں تیز چلنے لگے۔ لیکن سڑک کے کنارے پہنچنے سے قبل ہی وہ چیز قریب آگئی یہ ایک بغیر آواز کی الیکٹرک کار تھی جو درے میں داخل ہونے جارہی تھی۔ فریدی اور حمید نے ریوالور نکال کر پچھلے پہیوں پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ کار سے بھی فائر ہوئے۔ غالباً کار کا ڈرائیور بوکھلا گیا تھا۔ اگر وہ فوراً ہی بریک نہ لگادیتا تو وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔

فوجیوں نے بڑھ کر اُسے نرغے میں لے لیا اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس پر پڑنے لگیں۔ پچھلی سیٹ پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پیٹھ میں گولی لگی تھی اور ڈرائیور بیٹھا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کون ہو تم....!" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ درمیان میں ایک بڑا

صندوق رکھا تھا۔

فوجیوں نے رائفل کے کندے مار مار کر اس کا تالا توڑ دیا اور جب ڈھکنا اٹھایا گیا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں۔

"ہرا.....!" حمید نے نعرہ لگایا۔

ڈرائیور کو باندھ کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

"کیپٹن راجیشور مبارک ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیپٹن نہیں لیفٹیننٹ ہوں۔" فریدی کے قریب کھڑے ہوئے فوجی نے کہا۔

"اتنے بڑے کارنامے کے بعد آپ صرف لیفٹیننٹ نہیں رہ سکتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حیرت انگیز انکشاف

اسی رات کو ٹیکم گڈھ کی کوتوالی کے طویل و عریض صحن میں قیدیوں کا جم غفیر نظر آ رہا تھا۔ ٹیکم گڈھ میں سارے بڑے بڑے حکام موجود تھے۔ فریدی اور حمید ایک جگہ کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً ایک بڑی سی ٹرک اندر داخل ہوئی اور رکنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک فوجی اُس پر سے کود پڑا۔

"ہیلو کیپٹن شہاب۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"فتح۔" کیپٹن شہاب اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

آفیسرز اُس کے گرد جمع ہونے لگے۔

کیپٹن شہاب بلند آواز میں فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "وہ نیلی سرچ لائٹ ہی تھی۔ میں اُسے اُٹھا لایا ہوں۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ ہمارا ایک آدمی کام آ گیا۔ لیکن ہم نے انہیں جکڑ لیا ہے۔ سفید نسل کے پندرہ سور ہیں اور بقیہ اپنے دیسی کتے۔ کل پینتالیس ہیں۔ ہمارا ارادہ فائرنگ کا نہیں تھا مگر خود انہوں نے پہل کی۔ نگرانی کے لئے کچھ آدمی چھوڑ آیا ہوں۔"

اس ٹرک کے پیچھے کچھ اور ٹرکیں بھی تھیں جن پر سے قیدیوں کو اتارا جانے لگا۔ پھر سرچ لائٹ اتاری گئی۔ اس کی اونچائی چھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہی ہے وہ تباہ کن ہتھیار جو ہمسایہ ملک استعمال کرتا تھا۔"

کمشنر پر خیال انداز میں سر ہلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ دونوں ٹہلتے ہوئے وگراج درے کے محافظوں کی طرف آئے فریدی اُن کے آفیسر کیپٹن رگھوبیر کے سامنے آ کر رک گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں کیپٹن! اسی طرح فرض ادا کیا جاتا ہے۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

کیپٹن رگھوبیر کے ہونٹ آہستہ سے ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔ شاید کوئی گالی اُس کے ہونٹوں تک آ کر لوٹ گئی تھی۔

"تم اپنی جان کے خوف سے بھاگے تھے نا۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ہاں فوراً یہ جلدی سے بتا جاؤ کہ محکمہ سراغ رسانی کے کون بزرگ تم لوگوں سے ملے ہوئے تھے۔"

"میں کیا جانوں تم کیا بک رہے ہو۔" کیپٹن رگھوبیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ لیکن پھر دفعتاً گرجنے لگا۔ "مجھے ہتھکڑی کیوں لگائی گئی ہے۔ میرے ساتھ معمولی مجرموں جیسا برتاؤ کیوں کیا جارہا ہے۔ میں پولیس کا قیدی نہیں۔ میں صرف اپنے آفیسر کے سامنے جواب دہ ہوسکتا ہوں۔"

"جان من بگڑنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور ایک بھرپور ہاتھ رگھوبیر کے منہ پر جھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ بُری طرح بھنچ گئے اور اس کی آنکھوں سے خون اترتا معلوم ہونے لگا۔

کمشنر کی موجودگی میں کسی قیدی کو چانٹا مار دینا فریدی ہی کا کام تھا۔ سارے پولیس آفیسر سناٹے میں آ گئے خود کمشنر کے ماتھے پر بھی سلوٹیں پڑگئی تھیں۔

"تمہاری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔" فریدی نے دانت پیس کر کہا۔

"میں تین سال سے تمہاری تلاش میں ہوں۔"

کیپٹن رگھوبیر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

فریدی دوسرے آفیسروں کو تحیر میں مبتلا چھوڑ کر سفید فام کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"شریف آدمیو! کیا تم ہم مشرقیوں کو اتنا احمق سمجھتے ہو۔" فریدی نے انگریزی میں کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" ان میں سے ایک گرج کر بولا۔ "ہم لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کیا جارہا ہے۔ میں اپنے ملک کے سفارت خانے کو ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"اس توہین کا مطلب۔"

وہ اس کے علاوہ بھی نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔

فریدی مسکراتا رہا۔

"مسٹر فریدی۔" کمشنر نے فریدی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

پھر وہ اُسے ایک طرف لے جا کر کہنے لگا.... "سوچ سمجھ کر! محافظ دستے کی گرفتاری تو خیر کسی نہ کسی طرح کھینچ کر جائز کی بھی جا سکتی ہے مگر یہ.....! ان لوگوں کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کیا جائے گا۔ ان پر صرف سرچ لائٹ استعمال کر کے ہراس پھیلانے کا الزام لگایا جا سکتا ہے لیکن اس پر ہمیں ایک آدھ بار انہیں وارننگ دیئے بغیر گرفتار کر لینے کا حق نہیں ہے۔ قاعدے کی رو سے سب سے پہلے ہمیں اس کی اطلاع ان کے ملک کے سفارتخانے کو دینی چاہئے تھی۔"

"مطمئن رہئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ان کے جرم ہی کے لحاظ سے انہیں اس برتاؤ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ محض سرچ لائٹ والا معاملہ ان کے لئے قطعی ناکافی ہے۔"

"کیا سونے کا اسمگلنگ۔"

"جناب والا۔"

"مگر اس کا ثبوت۔"

"میں دوں گا۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔

"بھئی کیسے! میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آتا۔ کمشنر نے اکتا کر کہا۔ سونے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی کھینچ تان۔"

"وہی عرض کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "اسی خیال نے مجھے بھی ان تک پہنچایا ہے۔ اچھا رگھوبیر سنگھ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کی قومیت۔" فریدی نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ سکھ ہے۔" کمشنر جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں جناب والا۔ سکھ ہونا تو الگ رہا۔ وہ اپنے دیس کا بھی نہیں ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" کمشنر نے اکتا کر کہا۔

"ابھی عرض کرتا ہوں۔" آیئے میرے ساتھ۔ فریدی نے کہا اور کیپٹن رگھوبیر سنگھ کے قریب جا کر رک گیا۔

"ہیلو کرنل۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

رگھو بیر سنگھ بے اختیار اچھل پڑا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ۔" فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہ کیپٹن ہو کر کرنل کے نام پر چونکتا ہے۔ حالانکہ اسے میری جہالت پر ہنسنا چاہئے تھا۔"

وہ پھر کیپٹن رگھو بیر سے کچھ کہنے جا رہا تھا۔ لیکن دفعتاً رک گیا اور کمشنر کو الگ لے جا کر بولا۔

"آپ یہاں کی سب سے بڑی ذمے دار شخصیت ہیں۔ اس لئے ایک چیز کا اظہار قبل از وقت ضروری ہے۔ میں ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھانے جا رہا ہوں جس سے ساری دنیا میں کھلبلی مچ سکتی ہے لہٰذا اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہماری حکومت کا کیا رویہ ہوگا۔" کمشنر آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کہہ بھی چکئے۔ مجھے کیوں خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ فریدی آگے جھک کر آہستہ آہستہ اُس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ جسے حمید نہ سن سکا۔

"نہیں....!" کمشنر تحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

"اوہ، اگر یہ بات ہے تو۔" کمشنر بے چینی میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"جناب والا.... آپ کا خیال قطعی درست ہے کہ محض سونے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی اچھل کود ناممکن ہے۔"

"تو پھر.... تو پھر.... اُسے اوپر اطلاع پہنچائے بغیر ظاہر نہ کرنا چاہئے۔" کمشنر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن رگھو بیر اور دوسرے سفید فام قیدیوں کو کسی الگ کمرے میں لے چلئے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ کمرہ بہتر رہے گا۔ جہاں وہ سوٹ رکھا گیا ہے۔"

"اور کون کون ہوگا؟"

"صرف آپ، میں اور میرا ساتھی۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔!" کمشنر وہاں سے ہٹ گیا۔

"کہئے کیا اب کوئی نئی بات سوجھی۔" حمید نے کہا۔

"بے صبری اچھی نہیں حمید صاحب۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ تو اتنا مزہ لے لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جیسے شب عروسی بسر کرنے جا رہے ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "یہ واقعی شب عروسی ہے۔ مجرم میرے پنجے میں ہیں اور میں ایک عظیم الشان جرم پر سے پردہ اٹھانے جارہا ہوں۔"

"پردہ بک..... ب....." حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ۔ کوئی لغویات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر چھوڑیئے! بتایئے یہ رگھوبیر سنگھ کون ہے۔"

"تف..... ہے تمہاری ذہانت پر۔" فریدی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ "تمہیں تو کوئی گھٹیا سا ناول نویس ہونا چاہئے تھا اس محکمے میں ناحق جھک مارنے کے لئے آئے۔"

"اب میں کوئی غائب دان ہوں۔"

"سینکڑوں بار میری پرسنل فائیل میں اس کا فوٹو دیکھ چکے ہو۔"

"مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔"

"ابھی یاد آجائے گا۔"

وہ دونوں قیدیوں کو گذرتے دیکھتے رہے۔

کمشنر انہیں ایک علیحدہ کمرے میں لے جانے کا انتظام کرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے برآمدے سے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا وہ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

"یہاں اس برآمدے کے قریب بھی کوئی نہ آنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔" کمشنر نے کہا اور وہ تینوں کمرے میں چلے گئے۔

رگھوبیر سنگھ اور سارے سفید فام قیدی موجود تھے۔ ان میں سے کچھ کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور کچھ پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ رگھوبیر سنگھ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اس کی نظریں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید اُسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ وہ تن کر بیٹھ گیا اور اس طرح غیر متعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اب وہ کمرے کے فرنیچر کی پائیداری اور خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہے گا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کا خمیازہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔"

"خوب.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ تم انفرادی حیثیت سے کہہ رہے ہو یا تمہاری زبان تمہاری حکومت کی نمائندگی کر رہی ہے۔"

"شاید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رگھوبیر سنگھ دانت پیس کر بولا۔

حمید کی الجھن پھر بڑھنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی سے یہ ڈرامہ ختم بھی ہو چکے۔ لیکن وہ فریدی کی عادت سے بخوبی واقف تھا اس منزل پر پہنچ کر فریدی سے جلد بازی کی توقع فضول تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ مزہ لے لے کر آگے بڑھنے کا عادی تھا۔ جیسے نہایت لذیذ قسم کی آئس کریم کھا رہا ہو۔

فریدی رگھوبیر سنگھ کی بات کا جواب دینے کی بجائے کمشنر کی طرف مڑا۔

"میرے خیال سے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی بھی ضروری ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ قطعی ضروری ہے، مجھے بھی خیال نہیں رہا تھا۔" کمشنر نے کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔

فریدی کی نظریں رگھوبیر سنگھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ سولہ عدد یک بیک ان پر ٹوٹ پڑیں تو ہتھکڑیاں ہی مار مار کر ان دونوں کا قیمہ بنا ڈالیں گے۔ وہ آہستہ سے دروازے کی طرف سرک گیا لیکن اُسے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ کیونکہ کمشنر ایک مجسٹریٹ کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا۔

"ہاں تو شریف آدمیو۔" فریدی قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "وہ زہریلا سونا کس کی ایجاد تھی۔ میں اس عظیم سائنٹسٹ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں جس نے اس کو ریڈیم کے ساتھ چارج کر کے اتنا خطرناک بنا دیا تھا کہ اُسے چھونے والے بوڑھے ہو کر مر جاتے تھے۔"

قیدیوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے۔ رگھوبیر سنگھ اپنی خونی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"تو صحیح معنوں میں تم ہی ان کے لیڈر ہو۔" فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

"بکواس ہے۔" رگھوبیر سنگھ چیخا۔

"کرنل ڈکسن۔" فریدی نے سخت لہجہ میں کہا۔ "تمہاری یہ ڈاڑھی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

"کرنل ڈکسن....!" کمشنر اور مجسٹریٹ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا اور وہ فریدی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگے۔

"جناب والا۔" فریدی نے قدرے جھک کر بولا۔ "میں تین سال سے اس کی تلاش میں ہوں اگر یقین نہیں تو یہ دیکھئے۔"

فریدی نے بڑھ کر رگھوبیر سنگھ کی پگڑی کھینچ لی۔ پگڑی کے ساتھ ہی مصنوعی بال بھی اتر آئے اور رگھوبیر کی گنجی کھوپڑی بجلی کی روشنی میں انڈے کے چھلکے کی طرح چمکنے لگی۔

"داڑھی تو تم نے بڑھالی تھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس گنجی کھوپڑی کا علاج کس طرح کرتے۔ تم لوگوں نے ایٹم بم بنانے کی بجائے گنجی کھوپڑیوں کو دوبارہ پُر بہار بنانے کا کوئی آلہ ایجاد کیا ہوتا تو اس وقت اس طرح تمہاری درگت کیوں بنتی۔"

پھر وہ کمشنر کو مخاطب کر کے بولا۔ "یہ کرنل ڈکسن ہے ایک جنگ باز ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک آفیسر۔"

"ارے....!" مجسٹریٹ چونک کر بولا۔

"اس کا فوٹو مرکزی دفتر میں محفوظ ہے۔" فریدی نے کہا اور سونے کی اینٹوں والے صندوق کا ڈھکنا اٹھا کر بولا؟" بھلا کسی سیکرٹ سروس والے کو سونے کی ناجائز برآمد سے کیا سروکار۔"

"کیوں نہیں۔" حمید بے ساختہ بولا۔ "یہ ہمیں اس طرح کنگال بنا کر اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ملکوں کے ساتھ یہی حرکت کی ہے۔ کسی کا غلہ غائب اور کسی کا سونا غائب اور کسی کا کپڑا غائب اور پھر انہیں انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنا پابند بنائے رکھنے کے لئے دل کھول کر مدد بھی دی ہے۔ ایک طرف انہیں لوٹا اور دوسرے دروازے سے سخی داتا بن کر آگئے ہیں۔"

"تمہارا یہ خیال بھی غلط نہیں ہے۔" فریدی نے صندوق سے ایک اینٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔"

کرنل ڈکسن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی پر جھپٹ پڑے گا۔ حمید نے ریوالور نکال لیا۔

"خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو....!"

فریدی سونے کی اینٹ کو ہاتھ میں تولنے لگا۔ پھر جیب سے ایک قلم تراش چاقو نکالا۔ وہ چاقو کا پھل اس طرح اس اینٹ کے کناروں پر چبھو رہا تھا جیسے کسی تختی سے بند کئے ہوئے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً اینٹ کی ایک پرت نکل کر زمین پر گری اور فریدی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پھر اس نے کھلے ہوئے حصے کو ہتھیلی پر الٹا اور کسی دھات کا چمکدار برادہ ہتھیلی پر گرنے لگا۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے کمشنر اور مجسٹریٹ کو مخاطب کیا۔

"یہ کیا....!" مجسٹریٹ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

کمشنر بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"یورونیم.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ دھات جو ایٹم بم بنانے میں کام آتی ہے۔"

"مگر..... مگر.....!"

"یہ دھات ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ان کا ملک ایک عرصہ سے اس پر دانت لگائے ہوئے ہے لیکن ہماری حکومت نے صاف انکار کر دیا تھا۔اس کے لئے انہوں نے دوسری چال چلی۔ مٹی کا تیل نکالنے کا ڈھونگ رچایا۔ تقریباً چھ ماہ سے یہ کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن آج تک قطرہ بھی نہ نکال سکے۔اس عرصہ میں جو کچھ یہ حاصل کرتے رہے ہیں آپ کے سامنے ہے۔"

"اوہ.....!" مجسٹریٹ بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔

"اور تم کرنل ڈکسن.....!" فریدی رگھوبیر سنگھ کی طرف مڑا۔ "آج سے تین سال قبل تم نے فوج میں کمیشن لیا اور ترقی کرتے کرتے کیپٹن کے عہدے تک پہنچ گئے اور وگراج کے درے تک تم کس طرح پہنچے یہ اب دیکھنا ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی بولتا رہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ ہمارا یورونیم تخریبی کاموں کے لئے نہیں تمہاری منصوبہ بندیاں خاک میں ملا دی جائیں گی۔ ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں۔ کسی جنگ باز ملک کا آلہ کار نہیں بن سکتے۔"

کرنل ڈکسن یا رگھوبیر سنگھ خاموش بیٹھا رہا اُس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں پڑے ہوئے تھے اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ وہ کسی حرکت میں مشغول ہے۔ دفعتاً اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ زمین پر آرہا۔ فریدی وغیرہ اس کی طرف لپکے لیکن وہ اتنی دیر میں سرد ہو چکا تھا۔

"کیا مر گیا.....!" کمشنر بوکھلا کر بولا۔

"جی.....!" فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔

"مگر کیسے.....! مگر کیسے۔"

فریدی نے اس کا داہنہ ہاتھ اٹھایا۔ ایک انگلی میں خون کا ایک ننھا سا قطرہ دکھائی دیا "میرے خیال سے اب اس قصے کو ختم کرنا چاہئے۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "مجرم آپ کے سامنے ہیں اور ان کا جرم بھی..... اس سازش کے لیڈر نے آپ کے سامنے خود کشی کر لی ہے۔"

"مگر کس طرح۔"

"یہ دیکھئے....!" فریدی نے اُس کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مگر.... یہ کیا.... یہ خون....!"

"جی ہاں خون۔" فریدی نے اس کا بایاں ہاتھ کھینچ کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سارا فتور اس انگوٹھی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے اس کا اوپری ڈھکن کھلا ہوا ہے اور اس کے اندر لگی ہوئی یہ نوکیلی سوئی غالباً زہریلی ہے۔ بہر حال یہ معلوم کرنا پوسٹ مارٹم کرنے والوں کا کام ہے کہ موت کس طرح واقع ہوئی۔ اب انہیں آپ سنبھالئے۔ مجھے ابھی ان کے مستقر کو بھی دیکھنا ہے۔"

کمشنر اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"یہ سب جعلسازی ہے.... جھوٹ ہے۔" قیدی بڑبڑائے۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے پلٹ کر کہا اور حمید کو لے کر کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک جیپ کار میں بیٹھ کر مٹی کے مفروضہ تیل کے چشموں کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید بُری طرح چہک رہا تھا۔ اس کامیابی کے سلسلے میں اس نے بس بغلیں ہی نہیں بجائیں ورنہ اور سب کچھ کر گذرا۔

مٹی کے تیل کے چشموں پر ملٹری کا پہرہ لگا ہوا تھا اور اس دوران میں کیپٹن شہاب پھر واپس چلا گیا تھا اور اس وقت وہیں موجود تھا۔ اگر پہلے ہی نہ چلا آیا ہوتا تو شاید اس وقت تک ان دونوں کو وہاں گھسنے بھی نہ دیتا۔

تھوڑی دیر کی چھان بین کے بعد فریدی نے بہت سے کار آمد کاغذات پر قبضہ کیا اور اس پلانٹ کا بھی پتہ لگالیا جس کے ذریعہ یورونیم کو ذروں کی شکل میں تبدیل کیا جاتا تھا۔

مجرموں کے خلاف ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی مواد اکٹھا ہوگیا تھا اور انہیں کے کاغذات کی مدد سے محکمہ سراغرسانی کے دو انسپکٹر اور ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی پکڑا گیا۔ لیکن یہ وہ نہیں تھا جو حمید کو ریگستانی اسٹیشن میں اپنی کار پر ٹیکم گڈھ کے قریب لے گیا تھا وہ دونوں دوسری دوپہر تک وہیں مشغول رہے۔ اس دوران میں کمشنر نے بھی کئی چکر لگائے۔ ساری تحقیقات انتہائی رازداری سے کی جارہی تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات نے صرف سونے کی ناجائز برآمد کرنے والے گروہ کی گرفتاری کا حال چھاپا تھا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ غیر ملکی سرمایہ دار مٹی کے تیل کے بہانے سونا کھود رہے تھے۔ کیپٹن رگھوبیر کی خودکشی کی خبر بھی

شائع ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس نے فرض کی ادائیگی سے کوتاہی برتنے کی بدنامی سے بچنے کے لئے خودکشی کی تھی۔

کمشنر کے الفاظ میں معاملہ اوپر کی طرف بڑھادیا گیا اور فریدی اور حمید واپس آگئے۔ اسٹیشن پر ان کے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں نے ان کا شاندار استقبال کیا اور کچھ دنوں بعد فریدی اور حمید کو وزیراعظم کے خطوط ملے جن میں انہیں مبارک باد دینے کے بعد پوری قوم کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

اس زہریلے سونے کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ معاملہ چونکہ اور آگے بڑھادیا گیا تھا اس لئے اس میں اب کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ کرنل ڈکسن کی موت کے بعد یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ملٹری میں کن ذرائع سے داخل ہوا تھا اور اس کی رسائی وگراج درے کے محافظ دستے تک کس طرح ہوئی۔ اس کا جو سامان ملا تھا اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے ان حالات پر روشنی پڑ سکتی۔

البتہ فریدی آج تک اسی ادھیڑ بن میں پڑا ہوا ہے کہ مجرموں نے سونے کو ریڈیم سے کسی طرح چارج کیا تھا۔

حمید اکثر اسے اس پر چھیڑتا۔

"اب چھوڑیئے بھی اس چکر کو۔" وہ کہتا.... "یہ سوچئے کہ ایک آدمی کو شادی کے قابل کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ آپ نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر بھی لیا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ شادی کیجئے کم از کم ایک آدھ یادگار تو چھوڑ جایئے ورنہ معلوم نہیں کب پستول کی گولی گدی سہلاتی ہوئی حلق کے راستے نکل جائے۔"

اور فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ جاتا۔

ختم شد